عبرتہائی عاشورا

و

تاریخ

عبرتہائی عاشورا

و

تاریخ

رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

عرضِ ناشر

ہم نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ آپ کی خدمت میں بہترین کتب پیش کریں اور اپنے بزرگوں کی کاوشوں کو آپ کے لئے شائع کریں، اسی سلسلہ میں اس سے قبل جناب سید العلماء سید علی نقی نقوی نقن رحمۃ اللہ علیہ کی کتب شائع کی ہیں اور وہ سلسلہ بھی جاری ہے اور اس کے ساتھ آپ کی دعاؤں اور اللہ کی رحمت اور توفقیات سے اب جناب رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ کی کتب کا سلسلہ اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

اگر اللہ نے توفیق دی تو انشاء اللہ ہم جناب رہبر معظم کی تمام کتب جو دستیاب ہوں گی ان کو مرحلہ وار شائع کریں گے۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اگر آپ کے پاس رہبر معظم کی کوئی کتاب ہوتو ادارہ کو ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔

جب آپ اپنے لئے دعا کریں تو ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھیں تا کہ یہ سلسلہ جاری رہ سکے، اگر کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو یہ سوچ کر معاف فرما دیں کہ انسان کی سب کوششوں کے باوجود غلطی کی گنجائش بہر حال رہ جاتی ہے، اس غلطی سے ادارہ کو آگاہ کریں تا کہ آئندہ اس کو درست کر لیا جائے۔

سلام: مکتب شہادت کے علمبرداروں پر۔سلام تاریخ کے ہر دور میں کامیاب مظلوم پر۔سلام حسینؑ کے جانثاروں پر۔سلام عاشورا کے حقیقی فرزندوں پر۔

اس مجموعہ میں پیروان مکتب شہادت کے لئے جو باب ہم نے کھولا ہے وہ اس عظیم شخص کے ارشادات ہیں جو سالار شہدا کی قیادت میں خود اسوۂ کامل ہے۔

رہبر مسلمین جہاں آیتہً اللہ سید علی خامنہ ای نے عبرتہائے عاشورا کے حوالے سے تاریخ میں پوشیدہ خواص کے شرمناک چہروں سے نقاب کشائی کی ہے جو اپنی تمام تر ذلتوں، خیانتوں اور ہمت شکنیوں سمیت دوستوں کی محفل میں بیٹھے اپنے لئے داد وتحسین وصول کرتے ہیں۔اور ان کے ہاتھ سید الشہدا ء کے پاکیزہ خون سے رنگین تھے۔ ان کے مقدس نماز چہرے اور ان کے جھوٹے دعوؤں نے اور ان کے مجرمانہ اعمال وافکار نے بہرحال ان کو تاریخی مجرم ثابت کرہی دیا۔ ہاں تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جو تمام تر وابستگیوں، تمام تر اعتقادی مسئلوں سے ہٹ کر مکمل طور پر حالات و واقعات کا تجزیہ وتحلیل کرتی ہے۔ ایک ایسا آئینہ جو دوست اور دشمن دونوں کے چہروں کو واضح اور صاف طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے کہ جس میں حق وصداقت، عشق وعرفان، ایثاروقربانی اورمعرفت خدا سے پر دمکتے ہوئے روشن چہرے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ظلم وستم ،خیانت اورمکروہ وفریب سے آلودہ چہرے بھی تاریخ کے آئینے میں بہتر طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔تاریخ ان دونوں چہروں کو کائنات کی عدالت میں پیش کرتی ہے۔تاکہ ظالموں پر ان کے ظلم کی مذمت کی جائے اورحق وصداقت، پاکیزگی اورتقویٰ کے ان پیکروں کی مکمل اطاعت اور اتباع کی جائے۔

رہبر معظم نے اپنی ان علمی و عاشقانہ تقریروں سے مکتب علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے عاشقوں پر اور تاریخ اسلامی پر ایک احسان عظیم کیا اور ایک ایسا آئینہ فراہم کیا جس میں حق و صداقت اور جرم و جنایت کی واضح تصویریں نظر آتی ہیں۔

سید علی خامنہ ای نے تاریخ کے ذریعے ہمیں اور تمام مکتب ولایت کے پیروکاروں کو ایک ایسا آئینہ فراہم کیا جس میں ہم اپنے آپ کو تلاش کر سکیں۔ کیونکہ آج کا یہ دور کل کے مستقبل کا ماضی بن جائے گا اور آنے والی نسلیں کل ہمیں تاریخ کے صفحوں میں تلاش کرے گی۔ کہ جیسے آج ہم ان لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں جو خود کو حسینؑ کے مکتب سے وابستہ قرار دیتے تھے۔ مگر ان کے اعمال حسینؑ اور ان کے پاکیزہ مکتب اور ان کی الٰہی تحریک کے لئے انتہائی شرمناک ثابت ہوئے۔

ہاں تاریخ کی عبرتوں میں سے ایک عبرت حسینؑ کا خائن دوستوں کے درمیان ہونا بھی ہے ہاں وہی خائن دوست جن کے فرمانبرداری اور اطاعت کے جھوٹے وعدے، عشق و محبت کی سرد کہانیاں اور ان کے مکروفریب سے پر داستانیں آج بھی تاریخ کے زخمی دل پر کندہ ہیں۔ ہاں وہ خائن دوست جنہوں نے دین سے محبت کا دعویٰ کیا اور دنیا پر قربان ہو گئے۔ ہاں وہی خائن دوست جنہوں نے مظلوموں سے ایفائے عہد کیا مگر ظالموں سے وفاداری نبھائی۔ ہاں وہی خائن دوست جنہوں نے چند روز زندہ رہنے کے لئے ابدی ذلت کو گلے لگا لیا۔ ہاں وہی خائن دوست کے جنہوں نے اپنے عزیز و اقرباء اور ان کی بہتر زندگی کی خاطر حسینؑ اور ان کے عزیز و اقربا کا خون بہایا۔ ہاں وہی خائن دوست جو ہمت شکنی اور ظالموں کے جھوٹے پروپیگنڈے اور ان کے فوج کے دبدبے سے مرعوب ہو کر حسینؑ اور ان کے جانثاروں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہاں جو آزادی کا نعرہ لگاتے تھے اور خود شیطانوں کی غلامی قبول کر لی اور بالآخر اپنے محلات کو بچانے کے لئے حسینؑ کے خیموں کو نذر آتش کر ڈالا۔ اپنے بچوں کی زندگی کی خاطر حسینؑ کے بچوں کا خون بہا دیا اور کمال بے

شرمی سے پھر مجرمانہ آنسو بہانے لگے اور اپنے خونی محلات پر حسینؑ دوستی کے پرچم کو نصب کیا۔ ہاں حسین انہی دوستوں اور دشمنوں کے درمیان کلمہ حق بلند کرتے رہے اور بالآخر اپنے خون مقدس سے ہمیشہ کے لئے اسلام کو زندہ و پائندہ کیا اور ان کی مظلوم بہن نے اپنے ملکوتی پیغام سے ان دوست نما دشمنوں کے مکروہ چہروں پر پڑی ہوئی نقاب کو کھینچ ڈالا۔

اے عاشقان حسینؑ آج بھی ہم تاریخ کے آئینے میں عراق اور دیگر مسلم دنیا کے حالات و واقعات کو بہتر طور پر دیکھ سکتے ہیں اور بالخصوص عراق کی صورتحال کے جہاں ان خواص اور دوست نما دشمنوں نے دین اسلام اور مکتب اہل بیت کے ساتھ کس قدر بھیانک اور شرمناک مذاق کیا کہ جس سے عالم اسلام اور مکتب اہل بیت خون آلودہ ہے۔ آج بھی تاریخ کی آواز عراق کے ایوانوں سے بلند ہو رہی ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

''ہمیں کس جرم میں شہید کیا گیا۔ ہاں شہید باقر الصدر کی آواز،آل حکیم اور ان کے فرزندوں کی آواز پاکباز مومنین کی آواز ہاں ان شہیدوں کا خون فریاد کنا ہے ان خاموش اور مجرمانہ سکوت اختیار کرنے والوں پر کہ جو دین اسلام کے دعودیدار تھے۔ ہاں وہی خواص اور مقدس لوگ جو دشمنوں کے ساتھ مل گئے اور تاریخ کے مردہ وکثیف افراد کے متصل ہوگئے۔ ہاں وہی حسینؑ کے خائن دوست۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللھم سلد السنتنا بالصواب والحکمہ۔

میرے معبود ہماری زبانوں کو حکمت اور درستی پر قائم رکھ۔

اسلامی تہذیب کی نمایاں چیزوں میں سے ایک جو صدر اسلام کی تاریخ میں زیادہ واضح اور طویل مدت تک کمتر واضح مصداق کی صورت میں موجود رہی ہیں۔ جہاد اور مقابلے کی ثقافت ہے۔ جہاد صرف وہ جہاد مراد نہیں ہے جو میدان جنگ میں ہو بلکہ ہر وہ چیز جس میں جدوجہد اور کوشش ہو اور دشمن کے مقابلے میں ہو۔ یہی جہاد ہے۔توجہ رکھئے گا ممکن ہے کہ بعض لوگ کوئی کام انجام دیں تکلیف اٹھائیں اور یہ کہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں جہاد کی ایک شرط یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ مقابلے میں ہو۔ البتہ ایک وقت جہاد میدان جنگ میں اسلحے کے ساتھ ہوتا ہے اسے ''جہاد زرمی'' کہتے ہیں، اور ایک وقت سیاست کے میدان میں جہاد ہوتا ہے یہ ''سیاسی جہاد'' ہے،اور ایک وقت تعمیری میدان میں جہاد ہوتا ہے یہ''سازندگی کا جہاد'' ہے۔البتہ اس کے لئے دوسرے بھی بہت سارے میدان ہیں اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ جدوجہد ہو اور پیہم کوشش ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ہو۔

اسلامی تمدن میں یہ چیز اسی طرح نمایاں ہے اور مختلف میدانوں میں اس کی

مثالیں اور نمونے موجود ہیں آج بھی جس وقت سے حضرت امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ساتھیوں کی زبان سے ۱۳۴۱ھ میں منحوس پہلوی حکومت کے خلاف مقابلے کی آواز ابھری تو یہ جہاد شروع کیا گیا اور اس کی ابتدا اس وقت ہوئی، اس سے پہلے بھی یہ جہاد جاری تھا مگر منتشر تھا کم تھا اور اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس نے اہمیت پیدا کی یہاں تک کہ یہ جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوا جو حقیقت میں انقلاب کی کامیابی تھی۔

اس کے بعد سے اب تک بھی یہ ملت مسلسل جہاد میں مصروف ہے۔ کیونکہ ہمارے سامنے دشمن موجود ہے۔ چونکہ ہمارے دشمن مادی اعتبار سے مضبوط ہیں اور ہی ساتھ دشمنی پر مصر ہیں۔ دشمنی کے معاملے میں جمہوری اسلامی ایران کے ساتھ مذاق نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ان کی خواہش ہے کہ جس طریقے سے بھی ہوا سے ٹھیس پہنچائیں۔

پس اسلامی ایران میں ہر وہ شخص جس نے کسی بھی پہلو سے اس دشمن کے مقابلے میں جس نے چاروں اطراف سے مملکت اسلامی کے پیکر اور انقلاب اسلامی کو اپنے زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا ہدف بنایا ہوا ہے کوشش کی ہے تو اس نے جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے۔ بحمد اللہ جہاد کا شعلہ رہا تھا، ہے اور رہے گا۔ البتہ ان جہادوں میں سے ایک جہاد فکری ہے اس کا مطلب یہ ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہمارا دشمن ہمیں غافل کر دے اور ہمارے تفکر اور سوچ کو خطا واشتباہ سے دوچار کرا دے پس ہر کوئی جو لوگوں کے افکار کو روشن کرنے کے لئے کوشش کرے سمجھو کہ وہ ایک گمراہی کو روکتا ہے ایک برے سوچ کے سامنے حائل ہوتا ہے۔ یہ کام کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ہے اس لئے جہاد ہے شاید آج کے دن بھی ایک اہم جہاد میں شمار ہوتا ہے۔

پس میرے عزیزو! آج ہمارا ملک جہاد کا مرکز ہے اس سمت سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے الحمد اللہ ہمارے ملک کے ذمہ دار اچھے لوگ ہیں اب بھی مجلس

(مجلس شوریٰ) میں مومن، متعہد وآگاہ، مجاہد وباہمت شخصیات ہیں۔ تمام معاملات پر توجہ رکھے رہو، ایک ایسی شخصیت جیسے کہ ہمارے صدر جمہوریہ آقائے ہاشمی رفسنجانی کی ہے جو ایک مجاہد و مبارز شخصیت ہیں جو اپنی تمام عمر جہاد میں گزارنے والوں میں سے ہیں اور آج بھی شب و روز جہاد میں مشغول ہیں۔ دیگر مختلف شعبوں کے ذمہ داران، جیسے اراکین مجلس شوریٰ، عدالتوں کے ارکان، مسلح جوان، ایک ایک فرد (غرض) سب کے سب حالت جہاد میں ہیں پس ہماری مملکت، مملکت جہاد فی سبیل اللہ ہے اس پہلو سے میری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ میں دیکھوں، نگاہ دوڑاؤں کہ یہ شعلہ جہاد کہاں فروکش ہوتا ہے۔ (یعنی بجھ جاتا ہے) پروردگار عالم کی تائید سے اسے بجھنے نہیں دونگا۔ کہاں غلطی ہو رہی ہے اس کی نشاندہی کرو اس کو سامنے رکھو کہ یہ چیزیں میری اصل ذمہ داریوں میں سے نہیں ہیں میں ملک کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کے وجود کے بارے میں پریشان نہیں ہوں۔ آپ حضرت اس بات کو سمجھیں کہ قرآن میں ایک چیز موجود ہے جو ہمیں غور وفکر پر ابھارتا ہے ہم سے کہتا ہے تم نظر رکھو اور گذشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کرو۔ آج ممکن ہے بعض لوگ بیٹھے ہوں اور فلسفہ بگھار رہے ہوں گویا ان کے زعم میں یہ لوگ دوسروں کو فلسفی اسلوب اپنا کر سدھار لیں گے وہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ اور ہمارا ان سے کوئی سروکار بھی نہیں ہے قرآن سچ مچ صادق و مصدق ہے اور ہمیں تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے تاریخ سے عبرت حاصل کرنا یعنی وہی پریشانی وانتظار کہ جس کا میں نے ذکر کیا۔ کیونکہ تاریخ ایک ایسی چیز ہے جس سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے اس کے لئے چاہئے کہ غور وفکر کریں اور یہ غور وفکر آئندہ سے مربوط ہے کیوں؟ اور یہ غور وفکر مندی کس لئے؟ یہ پریشانی کس لئے؟ آخر کونسی افتاد آن پڑی ہے پس جو اتفاق وافتاد واقع ہوئی وہ صدر اسلام میں ہے میں نے ایک جگہ کہا تھا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں پر امت اسلامی کو غور وفکر کرنا چاہئے کہ وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس سال

بعد ہی اسلامی مملکت کا کام اسی حد تک پہنچا ہے کہ اسی مسلمان عوام کے امیر، وزیر، سردار، علماء قاضی صاحبان، قادیان قرآن، کوفہ اور کربلا میں جمع ہوں اور انہی کے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے کو ناپسندیدہ ترین طریقے سے خاک وخون میں غلطاں کریں۔ انسان کو چاہئے کہ سوچے، فکر کرے، کہ کس لئے ایسا ہوا؟ میں نے عاشورا کی عبرتوں کے عنوان سے ایک گفتگو کے دوران دو تین سال قبل عرض کیا ہے کہ عاشورا کے دروس واسباق جداجدا ہیں جیسے عاشورا کا درس شجاعت، درس ایثار اور ان جیسی مثالیں۔ مگر عاشورا کے درسوں میں سے ایک چیز عاشورا کی عبرتیں ہیں۔ میں نے اس سے قبل کہا ہے کہ حالت اس منزل پر پہنچی تھی کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے کوچہ و بازار میں حرم پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لایا جاتا ہے اور ان پر خارجی کی تہمت لگا دی جاتی ہے خارجی کا مطلب ہے خوارج کا ایک حصہ یعنی جنہوں نے خروج کیا، کس کے خلاف؟ اسلام کی ایک ثقافت ہے کہ اگر کوئی امام عادل کے خلاف قیام کرے اس کے لئے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مومنین خارجی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں یعنی کوئی بھی شخص جو امام عادل کے خلاف قیام وخروج کرے، لہٰذا اس روز سے خارجیوں اور خروج کرنے والوں کی شان میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ ''جس نے امام عادل کے خلاف خروج کیا، یعنی اسلام میں اگر کوئی امام عادل کے خلاف خروج کرے اس کا خون ہدر ہے وہ اسلام کہ جو لوگوں کے خون کو اس قدر اہمیت دیتا ہے یہ لوگ (بنی امیہ) آئے ہیں کہ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرزند فاطمہ الزہرا علی مرتضی امیر المومنین، کو امام عادل کے خلاف خروج کرنے والے کی حیثیت سے پہنچوائیں اور ان کا وہ امام عادل یزید ابن معاویہ ہے اور اس حدیث سے کام لیتے ہیں وہ لوگ جو ظالم حکومتوں کے نمک خور ہیں ان کا دل جو چاہے کہتے ہیں کس لئے؟ لوگ ان پر اعتبار کرتے ہیں؟ یہ لوگ کیوں ساکت و بے حس وحرکت رہتے ہیں؟ وہ چیز جو مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ وہ یہی مسئلہ ہے کہ کیا ہوا! کہ معاشرہ اسلامی کا حال یہاں تک آ پہنچا۔ وہ

مسلمان کہ جو جزوئیات احکام اسلامی اور آیات قرآن کے بارے میں اس قدر دقت اور حساسیت سے کام لیتے تھے ایک ایسے واضح مسئلے کے سلسلے میں اس قدر غفلت، کاہلی اور سہل انگاری سے دو چار ہوتے ہیں کہ سانحہ فاجعہ وجود میں آتا ہے یہی مسئلہ انسان کو فکر مندو پریشان کر دیتا ہے مگر ہم تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ کے زمانے کے معاشرے سے محکم و مستحکم تر معاشرے میں ہیں۔ کونسا ایسا کام کریں کہ ویسا نہ ہو۔ (یعنی جو ان کے زمانوں میں ہوا)؟ البتہ اس سوال کا جو ہم نے کہا ہے کہ کیا ہوا کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس کا جواب خود میرے پاس ہے کسی نے اس سلسلے میں گفتگو نہیں کی ہے۔ میں یہی عرض کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں بہت ساری گفتگو ہوئی ہے مگر کافی ووافی نہیں ہے آج میں اس سلسلے میں مختصر سی گفتگو کرتا ہوں البتہ اصل مسئلے کی نسبت سے مختصر ہو گی۔ میں اصل مسئلے کو آپ کے ذہنوں کے سپرد کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر تم خود غوروفکر کرو جو اہل فکر ہیں صاحب مطالعہ ہیں اس مطلب کا پیچھا کریں تحقیق کریں جو لوگ صاحب عمل ہیں تاریخ سے معلوم کریں کہ ایسا کیوں ہوا کہ اس مخمصے کا سامنا کرنا پڑا۔ آج اگر ہم اس قضیے کو کنٹرول نہ کریں تو ممکن ہے کہ دوسرے پچاس سالوں میں دوسرے پچاس سالوں میں، اگلے دس سالوں میں اگر یہ کام بھی اس حالت تک پہنچے تو تعجب نہ کیجئے۔ مگر تیز بین آنکھیں گہرائیوں تک دیکھتی ہیں، ایک امین نگہبان راستے کا پتا دیتا ہے۔ صاحبان فکرافراد ہدایت دیتے ہیں اس تحریک کو تقویت پہچانے کے لئے مضبوط اور مستحکم ادارے ہیں جب خلا کو پر کرنے والا مضبوط مواد ہوگا اور ایک مستحکم و مضبوط قلعہ ہوتب کوئی دشمن نفوذ نہ کر سکے گا۔ اگر ہم اسے آزاد چھوڑ دیں تو وہی صورتحال ہمارے سامنے آئے گی جو (صدر اسلام میں نہیں آئی تھی۔ اس وقت یہ سارا خون ہدر ہو جائے گا۔ اس عہد کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ ان لوگوں کا بیٹا ان لوگوں کا پوتا جو جنگ بدر میں امیر المومنین اور حمزہ سید الشہداء کے ہاتھوں اور دیگر سرداروں اسلام کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے

ہیں۔ وہیں افراد کا فرزند"مسند پیغمبر پر بیٹھ کر جگر گوشہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراقدس کو سامنے رکھ کر اس کے ہونٹوں اور دانتوں پر خیز ران سے جسارت کرتے ہوئے کہا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا

جزع الخزرج من وقع الاضل

یعنی کاش ہمارے جنگ بدر کے بزرگ اٹھتے ہوئے دیکھتے کہ ہم نے ان کے قاتلوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔

یہ ہوا اس غفلت کا نتیجہ یہی منزل ہے کہ قرآن فرماتا ہے عبرت حاصل کرو کہتا ہے،

اے پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہو لوگوں سے کہ وہ زمین کی سیر کریں۔

قل سیروا فی الارض

کہ تاریخ کی سرزمین کی سیر کرو۔

دیکھو کہ کیا افتاد آن پڑی ہے میں انشاء اللہ ان معنوں میں اس لئے کہ ہمارے ملک کی موجودہ ثقافت جو کہ صاحبان فکرونظر افراد کے وسیلے سے حرکت کرتی ہے اور راہ پاتی ہے۔آپ کی خدمت میں ایک مختصر گفتگو پیش کرتا ہوں۔

عزیزو!انسانوں کے مختلف گروہوں پر نگاہ کرو،نظریں دوڑاؤ کہ معاشرے، ہر شہر میں،ہر ملک میں لوگ ایک ہی نظر میں ایک کاٹ سے دوحصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنی فراست،فکروآگاہی،ارادے کی پختگی کے سبب کام کرتا ہے اور راہ کی پہچان کر لیتا ہے اور اس کے پیچھے حرکت کرتا ہے۔ اس کی اچھائی برائی سے چنداں سروکار نہیں رکھتا اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جن کو ہم خواص کہتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو نہ صرف اس بات کا تعاقب کرتا ہے کہ یہ دیکھے کہ کونسا راستہ صحیح ہے اور کونسی تحریک صحیح ہے یا غلط۔ کہ اس کو

سمجھیں،ترک کریں،غور کریں تحلیل و تجزیہ کرے اور دیکھیں کہ یہ کام اس طرح سے ہے بلکہ دیکھتے ہیں کہ ہوا اس طرف چل رہی ہے لہٰذا اس کے پیچھے حرکت کرتے ہیں ہم اس گروہ کا نام ہم عوام ہیں ان کے بارے میں ایک نکتہ عرض کرتا ہوں کہ اس مسئلے میں غلطی نہ ہو، یہ خواص کون لوگ ہیں کیا کوئی خاص قسم کے لوگ ہیں؟ نہیں!ان لوگوں کے درمیان کہ جن کے بارے میں ہم کہہ رہے ہیں خواص،ان میں پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان پڑھ لوگ بھی کبھی کوئی ان پڑھ ہے مگر جز وخواص سمجھتا ہے کہ کیا کام کر رہا ہے ارادہ اور تشخیص کی روشنی میں کام کرتا ہے مگر اسکول نہیں گیا ہے درس نہیں پڑھا ہے اس کے پاس سند نہیں ہے۔ اس کے روحانی لباس نہیں ہے مگر سمجھتا ہے کہ مسئلہ کیا ہے۔ انقلاب کے دوران یعنی انقلاب کی کامیابی سے پہلے میں ایران شہر میں جلاوطن تھا ہمارے نزدیک کے چند شہروں میں سے ایک شہر کے چند افراد باقاعدہ ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے آئے تھے ان میں سے ایک ڈرائیور تھا بظاہر دیکھنے میں یہ لوگ اہل ثقافت ومعرفت میں سے نہیں تھے۔ بظاہر انہیں عوام یا عوامی کہا جاتا ہے۔لیکن خواص کے گروہ کا حصہ تھا اور وہ محترم عالم روحانی جو پیش نماز تھا عوام کا حصہ تھا۔ مثلاً وہ روحانی کہتا تھا جب بھی زبان پر پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی کا نام آئے تو کیوں ایک بار درود بھیجتے ہو۔ اس آقائے نامدار کا نام آتے ہی تین بار درود بھیجو نہیں سمجھتا تھا؟اس ڈرائیور نے جواب دیا اور کہا اس روز جب ہم مقابلے سے فارغ ہو جائیں گے ہر جگہ اسلام کو برتری ملے۔ انقلاب کامیاب ہو جائے۔ ہم تین درود نہیں بھیجیں گے ایک صلواۃ بھی نہیں بھیج دیں گے آج تین دفعہ درود مقابلہ اور مبارزہ ہے وہ ڈرائیور سمجھ گئے لیکن یہ روحانی نہیں سمجھے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟ توجہ کریں کہ میں نے یہ مثال اس لئے دی کہ آپ جان لیں کہ جنہیں ہم خواص کہتے ہیں اس کا مطلب کوئی خاص لباس نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ مرد ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے وہ عورت ہو۔ ممکن ہے کہ پڑھا لکھا ہو،ممکن ہے دولت مند ہو،ممکن ہے غریب ہو،ممکن

ہے ایک انسان مملکت کے انتظامی ڈھانچے کے اندر ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ طاغوتی ممالک کے انتظامی ڈھانچے کے مخالفین کا حصہ ہو۔ البتہ جنہیں ہم خواص کہتے ہیں ان کے اچھے اور برے کی تمیز کے نکتہ نظر سے ان کو بھی دو حصوں میں تقسیم کریں گے خواص وہ جو موقع و محل کو بروئے کار لاکر تجزیہ و تفکر کی روشنی میں راستے کا انتخاب کر کے کوئی عمل انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ خواص ہیں ان کے مطابق کا نقطہ بھی عوام ہے۔ عوام یعنی وہ لوگ جو بعض اوقات جس سمت کو ہوا چلے یہ بھی اس سمت چلنے لگتے ہیں کوئی تجزیہ نہیں رکھتے۔ ایک وقت لوگ کہتے ہیں زندہ باد تو یہ بھی سر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں زندہ باد اور بعض اوقات جب لوگ کہتے ہیں مردہ باد تو یہ بھی اسی طرف دیکھ کر مردہ باد کہتے ہیں۔ ایک لمحے میں موسم اس طرح کا ہے اس طرف آتے ہیں اور ایک لمحے موسم اس طرح کا ہے اس طرف آتے ہیں فرض کریں ایک وقت ایسا ہے کہ حضرت مسلم کوفہ میں داخل ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ امام حسینؑ کے چچیرے بھائی آئے ہوئے ہیں خاندان بنی ہاشم آئے ہیں، دیکھئے یہ لوگ قیام کرنا چاہتے ہیں۔ خروج کرنا چاہتے ہیں حرکت شروع ہوتی ہے آگے نکل جاتی ہے اور حضرت مسلم سے بیعت کرنے والے اٹھارہ ہزار لوگ ہوتے ہیں۔ پانچ چھ گھنٹے بعد قبائل کے سردار کوفے میں داخل ہو کر لوگوں سے کہتے ہیں جناب آپ یہ کیا کام کر رہے ہیں کس سے جنگ کرنے لگے ہیں کس کا دفاع کرنے لگے ہو تمہارا ستیاناس کیا جائے گا یہ سن کر لوگ پہلے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ابن زیاد کے لشکری بن کر طوعہ کے گھر کو گھیرے میں لے لیتے ہیں کہ مسلم کو گرفتار کریں۔

وہی لوگ آتے ہیں اور اپنے عہد سے پھر کر مسلم سے جنگ کرنے لگتے ہیں۔ یہ عوام ہیں کسی فکری، تشخیصی یا تجزیاتی عمل کے نہیں بلکہ اس طرف ہوا کا رخ ہو حرکت کرنے لگتے ہیں۔ پس ہم ہر معاشرے میں خواص اور عوام پاتے ہیں۔ عوام کو ایک طرف کرتے ہیں خواص کے پیچھے چلتے ہیں اور خواص کے دو گروہ ہیں۔

۱۔خواص حق کا گروہ

۲۔خواص باطل کا گروہ !

کیا ایسا نہیں ہے؟ کہ ایک گروہ صاحبان فکروثقافت و معرفت کا ہے،اہل حق کے لئے کام کرتا ہے سمجھ گیا ہے کہ حق اس طرف ہے۔حق کو پہچان گیا ہے،حق کے لئے حرکت کرتا ہے پس اس گروہ کے لوگ حق کو پہچانتے ہیں اہل تشخیص ہیں یہ ایک گروہ ہے اور ایک ایسا گروہ جوحق کے قابل اورحق کا مخالف ہے اگر صدر اسلام کی طرف لوٹ جائیں تو ایک گروہ میں اصحاب امام حسین اور بنی ہاشم ہیں اور ایک گروہ اصحاب معاویہ کا ہے ان کے درمیان بھی خواص تھے بافکروعاقل وتیز وطرار اور بنی امیہ کے طرفدار باطل ہیں آپ طرفداران باطل خواص سے کیا توقع رکھتے ہیں؟ توقع رکھتے ہو کہ وہ گروہ تمہارے مقابلے میں بیٹھا رہے گا نہیں، بلکہ حق کہ خلاف مضبوط بناتا ہے پروگرام جاری کرتا ہے پس اس گروہ کے خلاف جنگ کرنا چاہئے طرف داران باطل خواص سے جنگ کرنا چاہئے،یہ محل کلام نہیں ہے اس چیز پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اب ہم طرفدارن حق کی طرف آتے ہیں۔ اب میں اسی طرح آپ سے گفتگو کرتا ہوں،تم خودغور کرو کہ تم کہو یہ کہ میں کہتا ہوں،بلوغت فکر ہونا چاہئے۔یعنی ہم تاریخ کو قصے سے مشتبہ نہ کریں۔تاریخ یعنی ہمارےاحوات کی تشریح (دوسروں کے قصے کہانیاں نہیں) کسی دوسرے میدان میں بات ہوتو تب بنے گی۔یوں ہو یعنی

''خوش نصیب وہ ہے جس کی تعریف وتوصیف دوسروں کی زبان سے جاری ہو''

تاریخ یعنی میں اور آپ اور وہ سب جو آج یہاں پر جمع ہیں پس اگر ہم تاریخ کی شرح کرتے ہوئے بولتے ہیں تو ہم میں سے ہرایک کوغور کرنا چاہئے دیکھنا چاہئے کہ ہم اس داستان میں کہاں واقع ہیں ہم کس گروہ میں قرار پاتے ہیں۔ اس

کے بعد دیکھیں کہ ہماری طرح جو بھی قرار پائے اس دن اس مقام پر کیسے عمل کیا کہ (دشمن سے) ضرب کھائی پس ہم اس طرح کا عمل نہ کریں مثلاً آپ کلاس درس میں ایک فرضی دشمن گروہ ترتیب دیتے ہیں اور اپنا بھی ایک گروہ بناتے ہیں اس کے بعد اپنے گروہ میں (دشمن کے مقابل) غلط داؤ کا مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھتے ہو کہ تمہارے گروہ کے طرف سے داؤ میں اس جگہ غلطی ہوئی ہے۔ پس تم چاہو گے کہ وہ غلطی نہ کرو۔ تا کہ داؤ درست ہو چاہے غلطی سربراہ نے یا توپ چلانے والے نے، یا قاصد نے، یا کسی جنگجو جوان نے اپنے گروہ میں کی ہے۔ سمجھ گئے، پس تمہیں چاہئے کہ وہی غلطی نہ کرو تاریخ اسی طرح کی ہے اب میں صدر اسلام کے اس میدان میں کہ جس کے بارے میں بولتا ہوں۔اس میں اپنے آپ کو ڈھونڈو۔ عوام کا ایک گروہ ہے مضبوط ارادہ نہیں رکھتا اس کی خوش قسمتی یہ ہے کہ عوام سے مربوط ہے اگر حادثاتی طور پر ایسے زمانے میں پیدا ہوا کہ کسی امام کی حکومت ہے جیسے امام امیر المومنینؑ یا ہمارے امام خمینیؒ ان کو بہشت کی سمت لے جاتا ہے اچھا یہ بھی نیکوکاروں کے ہاتھوں کے ضرب سے بچائے جائیں گے اور خدا نے چاہا تو بہشت جائیں گے اگر اتفاقاً ایسا ہوا کہ ایسے زمانے میں قرار پائے کہ

''ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے امام قرار دیئے ہیں۔''

وجعلنهم ائمته یدعونه الی النار۔

یا جیسے ارشاد ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہوں نے نعمات خدا کو کفر میں بدل ڈالا اور اپنی قوم کو جہنم میں جھونک ڈالا، جو ان ہی کے لئے بھڑکائی ہوئی ہے اور کیا برا ٹھکانہ ہے۔

الم تر الی الذین بدلوانعمت اللہ کفراواحلو اقومھم دارابوار جھنم یصلونھاولیس القرار۔

کی مانند کسی زمانے میں قرار پائے تو جہنم کی سمت چلے گئے۔ پس ہوشیار ہو جاؤ اور عوام کا جز و نہ بنو یعنی ہر حال میں جاؤ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرو۔نہیں میں نے کہا کہ عوام کے معنی یہ نہیں۔ اے لوگو! جنہوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ جبکہ جز و عوام بھی ہیں۔ اے وہ بہت سے لوگ جو فقیر وغریب ہیں مگر جز و عوام ہیں۔ عوام ہونا میرے تمہارے ہاتھ میں ہے چاہئے کہ ہوشیار رہیں اور عوام نہ بنیں۔ یعنی وہ ہر کام کریں جو بابصیرت ہو۔ ہر وہ شخص جو بصیرت سے کام نہیں کرتا وہ عوام ہے۔ پس دیکھئے قرآن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے۔

ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

یعنی میں اور میرے پیروکار بابصیرت کام کرتے ہیں اور اللہ
کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں

پس پہلے یہ دیکھیں کہ تم گروہ عوام سے ہو! یا نہیں اگر گروہ عوام میں سے ہو تو جلدی جلدی اپنے آپ کو ان سے خارج کر دو، سعی کرو کہ اپنے اندر تجزیہ وتحلیل کی قوت پیدا کرو۔ اور قوت تشخیص اور معرفت پیدا کرو۔ گروہ خواص میں بھی دیکھیں کہ ہم گروہ خواص طرفدار حق کا جز و ہیں یا خواص طرفدار باطل کا حصہ، یہاں پر واضح ہے اس میں کوئی تردید نہیں کہ ہمارے معاشرے کے خواص، خواص طرف داران حق کا جز ہیں یہ اس لئے کہ اسلامی اصولوں سے، قرآن سے، سنت وعترت پیامبر کرام اسلام سے راہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آج جمہوری اسلامی یہی ہے پس خواص طرف داران باطل کا حساب ان سے الگ ہے۔ فی الحال ہمارا ان سے کوئی کام نہیں۔ اب ہم خواص طرف داران حق کا سراغ لگاتے ہیں تمام مشکل مسائل اس منزل کے بعد ہیں۔ میرے عزیزو! مقام شہرت، زر، لذت، راحت نام ونمود سے ہم آہنگ ہے اور یہ سب زندگی کی خوب صورتیاں ہیں۔

متاع الحیواۃ الدنیا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ میری متاع ہے۔نہیں بلکہ آسائش یعنی متاع ہے۔ خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ آخر کار خدا نہ کرے زندگی کی آسائشوں کے مقابلے میں،اس قدر غرق ہو جاؤ کہ جب کسی منزل پر کوئی سخت آزمائش آن پڑے تو ان (آسائشوں) سے دستبردار نہ ہوسکو،ایک وقت ایسا ہوتا ہے اور اگر ان آسائشوں سے فائدہ بھی اٹھاؤ۔ اور جب امتحان سخت درپیش آئے تو آسانی سے دستبردار بھی ہوسکو۔ یہ دوسرا طریقہ ہوتا ہے۔ پس ہم گروہ طرفدار حق کو بھی دو حصوں میں کرتے ہیں۔ دیکھئے ان چیزوں کے لئے سوچ اور غوروفکر لازمی ہے۔ ان چیزوں کے لئے وقت اور مطالعہ لازمی ہے۔ اس طرح نہیں ہوتا کہ انسان ایک معاشرے کو ایک نظام و انقلاب کا بیمہ کروائے۔ چاہئے کہ مطالعہ کرے دقت سے کام لے،سوچے کہ ہر معاشرے میں دو قسم کے حق کے طرفدار موجود ہوتے ہیں۔ یعنی خواص طرفداران حق کا وہ محکم گروہ ہو جو وقت پڑنے پر آسائشات دنیا سے آسانی سے دستبردار ہوسکتا ہو۔ اگر انکی تعداد زیادہ ہوتو معاشرہ اسلامی حضرت امام حسینؑ کے زمانے کی حالت سے دوچار نہیں ہوگا مطمئن رہئے کہ ابد تک بیمے کا بیمہ ہے۔لیکن اگر یہ گروہ کم ہے اور خواص کے دوسرے گروہ زیادہ ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے دل کو دنیا کے حوالے کیا ہے حق کو پہچانتے بھی ہیں حق کے طرفدار بھی ہیں عین اس صورت حال میں دنیا کے مقابلے میں ان کے قدم لرز جاتے ہیں دنیا یعنی کیا؟یعنی پیسہ،گھر،شہرت،مقام دنیاوی،نام ونمود،عہدہ،مسئولیت اور جان؟کوئی اپنے جان کے لئے راہ خدا کو ترک کرتے ہیں اس جگہ جہاں حق کہنا چاہئے نہیں کہتے کیونکہ ان کی جان خطرے میں پڑتی ہے یا ان کی منزل و مقام کی خاطر یا ان کی اولاد سے محبت کی خاطر یا اپنے پیسے کی خاطر، یا اپنی ڈیوٹی کی خاطر، یا خاندان سے محبت کی خاطر،خویش واقارب کی محبت کی خاطر،دوستوں کی محبت کی خاطر،راہ خدا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا گروہ زیادہ ہوتو وہ وقت پریشانی اور واویلا کا ہے۔ اس وقت بہت سے

حسینؑ ابن علیؑ کربلا کی قتل گاہوں کی طرف کھینچے جائیں گے۔ بہت سے یزید حکمران ہوں گے اور ایسے ملک پر جیسے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشکیل دیا ہو۔

بنی امیہ ہزار مہینے حکومت کریں گے۔ امامت سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ اسلامی معاشرہ، معاشرہ امامت ہے یعنی امام ہی معاشرے کا سربراہ ہوتا ہے یعنی ایسا انسان جو اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ لوگ ازروئے ایمان و دل اس کی پیروی کریں اور وہی لوگوں کا پیشوا ہے لیکن! سلطان و بادشاہ وہ آدمی ہوتا ہے جو سختی اور غلبے سے حکومت چلاتا ہے۔ لوگ اسے ایماندار نہیں مانتے لوگ اسے قبول نہیں کرتے۔ اس حال میں جبکہ وہ اپنی زور و زبردستی کے ذریعے حکومت کرتے ہوں۔ یہی ہوا بنی امیہ نے اسلام میں امامت کوحکومت، سلطنت و بادشاہی میں تبدیل کر دیا اور نوے سال یعنی ایک ہزار مہینے اس عظیم اسلامی سلطنت پر حکمرانی کی اور(اسلامی امام کی بجائے بادشاہت) کی نئی مگر ٹیڑھی بنیاد رکھی۔ ایسا ہوا کہ بعد میں بنی امیہ کے خلاف احتجاج برپا ہو۔ اور بنی امیہ گئے بنی عباس آئے اور دنیائے اسلام پر چھ سو سال تک پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے جانشینوں کے عنوان سے حکومت کی، بنی عباس کہ جن کے خلفاء بہتر تعبیر کے مطابق بادشاہ دوسرے سلاطین عالم کی طرح شراب پینے والے، فساد برپا کرنے والے فسق و فجور فحشا، خباثت اور اشرافیت کے حامی، اور ہزار طرح کے فسق و فجوز کے مرتکبین میں سے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں بھی جاتے تھے لوگوں کو نمازیں بھی پڑھاتے تھے اور لوگ چاروناچار یا غلط عقیدے کے سبب اور مجبوری کی بناء پر ان کے پیچھے چلتے تھے اور ان کی اطاعت کرتے تھے۔

ایک وقت جب معاشرے میں خواص طرف داران حق قطعی اکثریت میں ہوتے ہیں تو ان کی دنیا خودان کے لئے اہمیت پیدا کر دیتی ہے۔لیکن خواص کا وہ گروہ جو جان کے ڈر سے، مال کے ہاتھ سے چلے جانے کے ڈر سے، اور مقام و منزلت کے ہاتھ سے چلے جانے کے ڈر سے،معاشرے کی نفرت کے ڈر سے تنہائی

کے ڈر سے، حاضر (دربار حاکم) ہو جاتے ہیں اور باطل کو قبول کرتے ہیں باطل کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہوتے۔ اور حق کی طرفداری نہیں کرتے اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ ایک زمانے میں ایسا ہوا جس کے نتائج کی ابتداء اس حال میں حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت سے ہوئی اور انتہا بھی، بنی امیہ اور مروانی شاخ کے حکمرانی کے بعد بنی عباس کی حکومت اور بنی عباس کے بعد آج تک دنیائے اسلام میں سلاطین کا سلسلہ پہنچا ہے۔ آپ حضرات آج بھی دنیائے اسلام پر نگاہیں دوڑائیں، مختلف اسلامی ممالک کی طرف دیکھیں، اس جگہ دیکھیں جہاں خانہ خدا اور مدینہ منورہ ہے۔ دیکھئے کس قدر فاسق و فاجر لوگ حکومت و قدرت رکھتے ہیں۔ حکومت کرتے ہیں۔ بقیہ جگہوں کو بھی ان جگہوں پر قیاس کرو۔ اس لئے تمام زیارت عاشورا میں کہتے ہو۔ خدایا اس اولین ظالم پر لعنت بھیج جس نے حق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کیا۔

الھم العن اول ظالم ظلم حق محمد وآل محمد۔

ہم درجہ اول میں ظلم کی پہلی بنیاد رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور حق بھی یہی ہے!

آپ نے اس مقدمے کو ساعت فرمایا، اچھا آیئے ہم عاشورا کے عبرت انگیز واقعے کے کچھ حصے کی تحلیل و تجزیے کی طرف آتے ہیں۔ اب ہم اس تاریخ کے تعاقب میں جاتے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے چھ، سات، آٹھ سال بعد، یہ مسئلہ خواص طرف داران حق کی غلطیوں سے شروع ہوا۔ بنیادی طور پر (اس وقت) میں مسئلہ خلافت سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سروکار اس لہر سے ہے جو چلی۔ یہ لہر جو بڑی خطرناک لہر ہے تمام مسائل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے سات، آٹھ سال بعد شروع ہوئے۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا مسئلہ یہاں سے شروع ہوا جب یہ کہا جانے لگا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اصحاب جو سابقین اسلام میں سے ہیں

جنہوں نے بدرواحد کی جنگیں لڑی ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برابر ہوں۔ چاہئے کہ (معاشرے میں) وہ ایک امتیاز رکھتے ہوں۔انحرافی تحریکیں اسی طرح کی ہیں ایک چھوٹے سے نقطے سے(انحراف) کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر قدم بعد کے قدم کو تیزی اور نشوونما بخشتا ہے۔ تمام انحرافات یہاں سے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ عثمان کے زمانے میں پہنچے، عثمانی حکومت کے وسط میں، بلکہ دورِ خلیفہ سوم میں، حالت اس قسم کی ہوگئی تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برجستہ اصحاب کرام اپنے زمانے کے سب سے بڑے سرمایہ داروں کا حصہ بن چکے تھے،غور کریں یعنی وہی عالی رتبہ صحابہ کرام کہ جن کے نام مشہور ہیں۔ جیسے طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص اور ان جیسے کہ جن میں سے ہر ایک نے سابق میں اعلیٰ کارنامے انجام دیئے ہیں یہ سب اسلام درجہ اول کے سرمایہ دار بن گئے ایک وقت ایسا آیا کہ جب ان میں سے ایک موت سے ہمکنار ہوا اور جب ورثاء میں سونے کی تقسیم کا وقت آیا جو ترکے میں بچا تھا اور اینٹوں کی شکل میں تھا، اس کے توڑنے کے لئے کلہاڑے استعمال کرنے پڑے جیسے کہ تم کلہاڑے سے لکڑی کاٹتے ہو، دیکھئے کس قدر سونا ہے کہ کلہاڑے سے توڑتے ہیں۔ اس صورت میں کہ سونے کو پتھر کے ذرات سے نکالنے والوں کو بھی تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ یہ ایسے الفاظ نہیں کہ ہم کہیں شیعوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ نہیں یہ وہ الفاظ ہیں جو سب نے لکھے ہیں ان لوگوں کے ترکے میں جو درہم ودینار باقی رہے ان کی مقدار افسانوی حد تک زیادہ ہے۔ انہیں حالات کا ثمر تھا کہ امیر المومنینؑ کے زمانے میں مشکلات نے سر اٹھایا، چونکہ ایک گروہ نے (معاشرے میں) اپنا مقام بنایا تھا اور اہمیت پیدا کی تھی لہٰذا علیؑ کے ساتھ مقابلے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ ابھی تو رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقع ہوئے ۲۵ سال ہی ہوئے ہیں اور بہت ساری غلطیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں ہیں اور ادھر علی امیر المومنینؑ نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اگر درمیان کے ۲۵ سال کا فاصلہ پیدا نہ ہوا ہوتا تو امیر المومنین کے لئے اس

معاشرے کو بنانے اور سدھارنے میں کوئی مشکل نہ تھا۔لیکن امیر المومنینؑ ایک ایسے معاشرے سے دوچار ہوئے جس کی قدر ومنزلت دنیا داری کے سائے میں قرار پا چکی ہے

جیسے کہ **اخذون مال اللہ دولا وعباداللہ خولاودین اللہ دخلا بینھم**، کے مصداق ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جب امیر المومنینؑ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو جہاد پر لے جائیں تو آپ کے لئے یہ سارے دردسر بنے۔ امیر المومنینؑ کے زمانے کے اکثر خواص(یعنی) خواص طرفداران حق،یعنی وہ لوگوں کا گروہ جو حق کو پہچانتا تھا ایسے لوگوں کا گروہ تھا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنینؑ تین(خونریز) جنگیں لڑنے پر مجبور ہو گئے۔آپ کی حکومت کی چار سال نو ماہ کی عمر مسلسل جنگوں میں گزری،آخر کار آپؑ ان خبیث لوگوں میں سے ایک کے ہاتھوں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ پس خون امیر المومنینؑ خون امام حسینؑ کی طرح ارزش اور منزلت کا حامل ہے۔ آپ زیارت وارثہ میں پڑھتے ہیں۔ **السلام علیکم یاثاراللہ وابن ثار** ۔یعنی خداوند متعال خون حضرت امام حسینؑ اور خون امیر المومنینؑ کا وارث ہے۔یعنی خداوند متعال حضرت امام حسینؑ اور ان کے والد گرامی امیر المومنینؑ کے خون کا وارث ہے۔ یہ تعبیر کبھی کسی دوسرے کے لئے نہیں آئی ہے(یہ امر) بدیہیات میں سے ہے کہ جو خون زمین پر بہتا ہے اس کا ایک وارث ہوتا ہے۔ صاحبان ووارثان خون جیسا کہ کوئی قتل ہوتو اس کا باپ اس کا وارث خون ہوتا ہے،اس کا بیٹا وارث خون ہے اس کا بھائی وارث خون ہے۔عرب اسے ''ثار'' کہتے ہیں۔یعنی بدلے میں خون بہانے کا حق دار ہونا ہے،خون بہانے کا حق رکھنے کو ثار کہتے ہیں۔پس حضرت امام حسینؑ کے خون کا وارث و مالک خدا ہے یعنی خون امام حسینؑ کے بدلے کا حق خداوند متعال سے متعلق ہے۔یعنی خود خدا صاحب خون امام حسینؑ ہے۔ اسی طرح سے خون امیر المومنینؑ کا صاحب بھی خدا ہی ہے۔ پس ان

دونوں بزرگوں کے خون کا صاحب ذات مقدس پروردگار ہے۔ امیر المومنینؑ اس (معاشرتی) حالت کی وجہ سے شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ بعد میں امام حسنؑ آئے، وہی حال تھا کہ امام حسنؑ چھ مہینے سے زیادہ حکومت باقی نہیں رکھ سکتے تھے آپ کو اکیلا اور تنہا کر دیا گیا۔ امام حسنؑ نے دیکھا کہ اب اگر اس مختصر گروہ کے ساتھ معاویہ سے جنگ کر کے شہید ہو جاتا ہوں تو معاشرہ اسلامی میں خواص کے درمیان اخلاقی انحطاط اتنا زیادہ ہے کہ یہاں تک کہ آپ کی خون کا بدلہ تک نہیں لیا جائے گا۔معاویہ کی چالاکیاں، پروپیگنڈے، پیسہ اس سب کا ازالہ کرے گا، ایک دو سال گزرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ بنیادی طور پر امام حسنؑ کا قیام ہی غلط تھا کہ معاویہ کے خلاف علم بلند کیا۔ امام حسنؑ نے دیکھا کہ آپؑ کا خون رائیگاں ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ نے تمام تر سختیوں کے ساتھ اپنے آپ کو میدان شہادت میں نہیں دھکیلا:۔

جانتے ہو بعض اوقات زندہ رہنے سے شہید ہونا آسان تر ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح کا واقعہ ہے۔ صاحبان معنویت وحکمت اور صاحبان وقت وفکر اچھی طرح جانتے ہیں کہ بعض اوقات، زندہ رہنا، زندگی گزارنا، اور ایک ماحول میں جدوجہد کرنا، قتل ہونے، شہید ہونے، اور خدا سے ملاقات کرنے سے مشکل تر مراتب کا حامل ہوتا ہے اور امام حسنؑ نے اسی مشکل راہ کا انتخاب کیا۔اس زمانے کی صورتحال ایسی تھی کہ خواص سرخم کر چکے تھے کسی حرکت کی انجام دہی کے لئے تیار نہ تھے۔ لہٰذا جب یزید برسراقتدار آیا اور یزید ایسا آدمی تھا کہ کوئی اس سے جنگ کرتا اور کوئی اس کے خلاف جنگ میں مارا جاتا تو چونکہ خود یزید کی صورتحال بہت خراب تھی اس لئے اس کا خون پامال نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے امام حسینؑ نے قیام کیا۔ امام حسنؑ کے زمانے کے برخلاف کہ اس وقت دو انتخاب موجود تھے یعنی شہید ہونا یا زندہ رہنا اور زندہ رہنا کہ جس کا ثواب واثر اورزحمت قتل ہونے سے زیادہ تھا۔ یزید کے زمانے میں قیام واحد انتخاب تھا دوسرا کوئی چارہ کار نہ تھا۔لہٰذا امام حسنؑ نے اس سخت تر راستے کا انتخاب کیا

امام حسینؑ کے زمانے میں یوں نہ تھا۔ایک انتخاب سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی زندہ رہنا یعنی قیام نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چاہئے کہ قیام کرے اس حال میں حکومت تک پہنچے تو پہنچے اور اگر نہ پہنچے اور قتل بھی ہوئے تو ہو جائے، چاہئے کہ راستے کی نشاندہی کی بجائے پرچم مقاومت سرراہ نصیب کر دینا چاہئے کہ اگرصورت حال اس طرح کی ہوتو حرکت وقیاس طرح کا ہونا چاہئے،پس اسی لئے امام حسینؑ نے قیام کیا، اچھا جب امامؑ نے اپنی اس عظمت وبزرگی کے ساتھ جسے وہ معاشرہ اسلامی میں رکھتے تھے قیام کیا تو اکثر وہی خواص امام حسینؑ کے سامنے آئے کہ کہیں مدد کرنا پڑے ۔ دیکھئے ان خواص کے سبب معاشرہ اسلام کا حال کس قدر خراب ہوا ہے اور خواص کے اسی گروہ کے سبب جو موجود ہیں اپنی دنیا کی آسائش کو اسلام کے کل کی پر تقدیر ترجیح دیتے ہیں اس کے ساتھ ہی امام حسینؑ بہت ہی مشہور شخصیت کے حامل تھے۔ میں نے امام حسینؑ کے قیام کے مسائل اور اس جنبش کے بارے میں جو مدینے سے شروع ہوئی غور کیا۔سوچا جس رات امام حسینؑ مدینے سے باہر آئے،عبداللہ ابن زبیر بھی باہر آ چکا تھا صورت حال کے حساب سے دونوں ایک ہی حال میں تھے لیکن امام حسینؑ کہاں اور عبداللہ ابن زبیر کہاں؟امام حسینؑ کا بولنا،مقابلہ کرنا،مخاطب اس طرح تھا کہ اس روز حاکم مدینہ جو کہ ولید تھے جرات نہ کر سکے کہ امام حسینؑ سے درشت لہجے میں بات کر سکے۔ مروان نے ایک لفظ منہ سے نکالا ہی تھا کہ حضرت نے ایسا سخت جواب دیا کہ مروان اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ یہی لوگ عبداللہ ابن زبیر کے گھر گئے اور اس کے گھر کا محاصرہ کیا اس نے اپنے بھائی کو بھیجا اور کہا مجھے اس بات کی اجازت دو کہ ابھی میں دارالخلافہ نہ آؤں(وہ) اس کی توہین کرتے ہیں اور کہتے کہ تمہارے باپ کو گرفتار کریں گے اور شخص حقیر باہر آؤ، اگر باہر نہیں آئے تو تمہیں قتل کریں گے اور کیا کریں؟ یہاں تک کہ عبداللہ ابن زبیر ملتمس ہوا اور کہا پس اتنی اجازت دو کہ فی الحال اپنے بھائی کو بھیج دوں اور کل میں خود آؤں،ان میں سے ایک نے کہا بہت اچھا

ہم اسے آج کی رات کی مہلت دے دیتے ہیں۔عبداللہ ابن زبیر بھی شخصیت رکھتے تھے لیکن اس کا حال امام حسینؑ سے قدرے مختلف تھی امام حسینؑ سے اس جرات سے بات کرنے کی کسی نے ہمت نہیں کی آپ کی حرمت،عظمت اور شخصیت کی خاطر،آپؑ کی روحانی قدرت اور حوصلہ کی خاطر کسی نے جرات نہیں کی،کہ اس طرح گفتگو کرے،اس کے بعد مکے کی راہ میں جو بھی آپؑ کے پاس پہنچا۔تو آنحضرت کو اس طرح مخاطب کرتے رہے ہیں قربان جاؤں، میرے ماں باپ آپ پر قربان،میری ماں آپ پر قربان،میرے چچا اور میری چچی آپ پر قربان،امام حسینؑ سے اس طرح بات کرتے ہیں۔اسلامی معاشرے میں امام حسینؑ کی شخصیت اس طرح کی برجستگی اور امتیاز کی حامل ہے۔عبداللہ ابن مطیع مکے میں حضرت امام حسینؑ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں۔اے فرزند رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تونے قیام کیا اور شہید ہوگئے تو تیرے بعد یہ لوگ ہمیں اپنا غلام بنا دیں گے آج تیرے احترام میں،تیرے خون سے،تیری ہیبت کی وجہ سے یہ لوگ اپنی عادی راہ چلتے ہیں،امام حسینؑ کی عظمت اس طرح کی ہے یہ حضرت امام حسینؑ کی عظمت ہے کہ آپ کے سامنے ابن عباس سر جھکا تا ہے عبداللہ ابن جعفر سر جھکا تا ہے عبداللہ ابن زبیر باوجود یہ کہ آنحضرت سے خوش نہیں ہے آپ کے سامنے،خضوع وخشوع کرتا ہے یہ تمام لوگ خواص وبزرگان گروہ حق سے متعلق ہیں۔یعنی حکومت کے طرف دار نہیں ہیں۔

بنی امیہ کے طرف دار نہیں ہے یہاں تک کہ ان کے درمیان شیعہ زیادہ ہیں کہ امیر المومنینؑ کو تسلیم کرتے ہیں۔آپ کو خلیفہ اول مانتے ہیں جب ان کا سامنا سختی کے ساتھ مرکز حاکم سے ہوتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ ان کی جان،ان کی سلامتی،ان کی راحت،ان کا مقام ومنزلت،ان کا پیسہ خطرے میں پڑا ہے یہ پیچھے ہٹتے ہیں یہ لوگ جب پیچھے ہٹتے ہیں عام لوگ بھی انہی کا پیچھا کرتے ہیں۔ان لوگوں کے ناموں کو دیکھئے، جنہوں نے کوفے سے حضرت امام حسینؑ کو خط لکھ کر دعوت دی ہے،جن جن

لوگوں نے خط لکھا ہے خواص کا حصہ ہیں یہ سب طبقہ معززین وبرجستگان میں سے ہیں۔ خطوط بھی زیادہ ہیں کوفے سے سینکڑوں صفحات پر مشتمل خطوط آئے یا شاید چند خورجینوں میں، یا کسی بڑے سے بیگ میں بھر کر خط آئے، غالباً کوفے کے ناموروں برجستہ شخصیات، بزرگوں اور خواص نے یہ خطوط لکھے ہیں! مختصراً ان خطوط کے آہنگ کو دیکھوتو معلوم ہو جائے گا کہ خواص طرف دار حق کے گروہ میں کس قسم کے لوگ شامل ہیں۔ کہ اپنے دین کو دنیا کے بدلے قربان کرنے کے لئے حاضر ہیں اور کس قسم کے لوگ اس گروہ میں شامل ہیں جو اپنی دنیا کو دین پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ خود خطوط ہی سے یہ بات ممکن ہے کہ سمجھا جائے اور چونکہ جو لوگ حاضر ہیں ان میں اپنے دین کو دنیا پر قربان کرنے والے زیادہ ہیں جس کے نتیجے میں کوفے میں حضرت مسلم ابن عقیل کی شہادت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اسی شہر کوفہ سے جس کے اٹھارہ ہزار افراد نے مسلم ابن عقیل کی بیعت کی تھی۔ بیس ہزار یا تیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ افراد اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور کربلا میں امام حسینؑ سے جنگ کرنے چلے آتے ہیں یعنی خواص کی حرکت وجنبش عوام کو اپنے پیچھے حرکت میں لے آتی ہے اس حقیقت کی عظمت ''نہیں معلوم'' جو ہمیشہ زیرک وہوش مند انسانوں کا گریبان پکڑ لیتی ہے۔ میرے لئے صحیح طور پر واضح ہوا ہے یا نہیں؟ آپ لوگوں نے یقینا کوفے کا ماجرا سنا ہوگا کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا حضرت نے بھی مسلم ابن عقیل کو بھیجا اور کہا کہ اس کو بھیجتا ہوں اگر یہ لکھ دیں کہ حالات درست ہیں تو میں بھی آؤں گا مسلم ابن عقیل بھی کوفہ تشریف لے گئے، بزرگان شیعہ کے گھر میں داخل ہوئے، حضرت کے خط کو پڑھا، لوگوں کے گروہ کے گروہ آئے سب نے عقیدت وارادات کا اظہار کیا، کوفے کا گورنر بھی نعمان ابن بشیر نامی کمزور اور ملائم آدمی تھا اس نے کہا کہ جب تک کوئی مجھ سے جنگ نہیں کرتا میں اس سے جنگ نہیں کروں گا اس نے مسلم بن عقیل سے مقابلہ نہیں کیا، لوگوں نے دیکھا میدان کھلا ہے آئے اور حضرت کی بیعت

کرنا شروع کیا خواص طرفداران باطل میں سے دو تین نے یزید کو لکھا اگر چاہتے ہو کہ کوفہ تمہارے ساتھ رہے۔ تو ایک سخت زیرک شخص کو کوفہ بھیجو، یہ نعمان ابن بشیر مسلم ابن عقیل کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

انہوں نے عبیداللہ ابن زیاد کو جو پہلے بھی کوفے کا گورنر رہ چکا تھا حکم دیا کہ آج سے ہمارے فرامین کی پاسداری کرتے ہوئے کہ بصرے کے علاوہ کوفے کی حکومت بھی تیرے حوالے کی جاتی ہے، سنبھالو، اور عبیداللہ ابن زیاد کی حکومت کا سرا بصرے سے شروع ہو کر کوفے تک پہنچا۔ اس کوفہ آنے میں بھی کچھ خاص اثرات معلوم ہوتے ہیں، اگر فرصت ہو تو دیکھوں ممکن ہے اس واقعے کے کچھ حصے کو عرض کروں۔

عبیداللہ ابن زیاد اس حال میں کہ رات تھی کوفہ پہنچا، کوفے کے عوام ہاں، ہاں کوفے کے عام عوام یعنی اس قبیل کے لوگ جو تحلیل وتجزیہ کرنے کے قابل نہیں، قادر نہیں، جب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص صورت چھپائے گھوڑے پر مسلح حالت میں سوار آیا۔ تو خیال کرتے ہیں کہ امام حسینؑ ہیں۔ خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں السلام وعلیکم یا ابن رسول اللہ۔ عام آدمی کی خاصیت یہی ہوتی ہے وہ شخص کہ جو صاحب تحلیل و تجزیہ نہیں، تحقیق کا منتظر نہیں ہوتا جیسے ہی دیکھا کہ ایک آدمی چہرہ چھپائے مسلح گھوڑے پر سوار، لوگوں سے بغیر کچھ کہے کوفے میں داخل ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے یہ امام حسینؑ ہیں سب کہتے ہیں امام حسینؑ، امام حسینؑ امام حسینؑ کھڑے ہو جاتے ہیں اسے سلام و احترام کرتے ہیں۔ بھائی صبر کرو، دیکھو کہ وہ کون ہے؟ اس نے بھی ان لوگوں کو پروا کرنے کے قابل نہ سمجھا، دارالامارہ (آج کا گورنر ہاؤس) گیا، اپنا تعارف کرایا اور اندر چلا گیا، یہی منزل سے اس نے مسلم ابن عقیل کی تحریک سے مقابلہ شروع کیا اور اس کے کام کی بنیاد، طرف داران مسلم ابن عقیل کو دھمکانا، ڈرانا، دباؤ ڈالنا اور شکنجوں میں قید کرنے پر مبنی تھا۔ یعنی ہانی ابن عروہ کو

دھوکے اور فریب کے ذریعے دارالامارہ لایا اس کے سر اور چہرے کو مجروح کیا اس کے بعد ایک گروہ اس کے قصر حکومت کے گرد جمع ہوا تو اس نے اسے جھوٹ اور مکروفریب سے منتشر کیا، یہاں بھی وہی برے لوگ یعنی خواص یعنی اصطلاح میں خواص طرف داران حق کا گروہ جو حق کو پہچانتا ہے، حق کی تشخیص دیتا ہے لیکن اپنی دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔ بعد میں حضرت مسلم ابن عقیل کے ساتھ ایک جلوس چلا، تاریخ ابن اثیر کے مطابق نوذی الحج کا واقعہ ہے کہ میرے خیال کے مطابق بیعت کرنے والے تیس ہزار میں سے حضرت مسلم ابن عقیل کے ساتھ صرف اس کے گھر کے اطراف کے چار ہزار لوگ شمشیر بکف حضرت مسلم ابن عقیل کی حمایت میں آئے اور اٹھ کھڑے ہو گئے، لیکن ابن زیاد نے جو کام کیا وہ یہ کہ انہیں خواص کوفہ میں سے کچھ لوگوں کو ان کے درمیان میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو ڈرائیں، (نوجوانوں) کی ماؤں اور باپوں کو ڈرائیں انہیں یہ بتائیں کہ کس سے جنگ کر رہے ہو؟ کس لئے جنگ کر رہے ہو؟ واپس ہو جاؤ، وہ تمہارے باپ کو گرفتار کریں گے ارے، یہ لوگ یزید ہیں؟ یہ لوگ ابن زیاد ہیں، یہ لوگ بنی امیہ ہیں ان کے پاس کیا ہے؟ پیسہ ہے تلوار ہے تا زیانہ ہے۔ مگر ان کے (مسلم ابن عقیل اور ساتھیوں کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہے۔ پس لوگوں کو ڈرانے لگے اور آہستہ آہستہ منتشر ہونے لگے، رات کے اگلے پہر عشاء کی نماز کے وقت مسلم ابن عقیل کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا ہر ایک کو عبداللہ ابن زیاد نے یہ پیغام دیا تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد آئیں اور میری اقتدا میں باجماعت نماز عشاء ادا کریں۔ تاریخ میں ہے کہ ابن زیاد کے پیچھے نماز عشاء کے لئے مسجد کوفہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اچھا، کیوں ایسا ہوا؟ میں جو دیکھتا ہوں اور غور کرتا ہوں تو خواص قصور وار ہیں وہی خواص طرف داران حق قصور وار ہیں! ان خواص طرف داران حق میں سے بعض جیسے شریح قاضی، جس نے ابتدا ہی میں بہت بڑا کام شریح جو کہ بنی امیہ کا طرفدار نہ تھا۔ ایک ایسا شخص تھا جو جانتا تھا کہ حق کس کے ساتھ ہے سمجھتا تھا کہ

حالات کس وسیلے سے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس وقت جب ہانی ابن عروہ کو زندان میں ڈال دیا گیا اور اس کے سر اور چہرے کو مجروح کیا گیا تھا اور آپ کے قبیلے والوں اور مجاہدین نے قصر ابن زیاد کو گھیرے میں لے لیا تھا اور ابن زیاد سے سوال کیا تھا کہ کیا تم نے ہانی کو قتل کر ڈالا ہے؟ ابن زیاد ڈرے ہوئے تھے اور شریح قاضی سے کہا کہ جاؤ دیکھو کہ ہانی زندہ ہے یا نہیں؟ اگر زندہ ہے تو جاؤ انہیں کہو کہ ہانی زندہ ہے قاضی شریح آیا دیکھا ہانی زندہ ہے لیکن زخمی ہے مجروح ہے ہانی ابن عروہ نے قاضی سے کہا! ارے مسلمانو یہ کیا صورت حال ہے۔ میری قوم کیا ہوئی؟ کیا مر گئی؟ کیوں میرے تلاش میں میرے پیچھے نہیں آئی؟ وہ لوگ کیوں نہیں آئے کہ مجھے یہاں سے نجات دلائیں۔ شریح قاضی کہتا ہے'' چاہتا تھا کہ جاؤں اور ہانی کے ان الفاظ کو ان لوگوں کے گوش گزار کر آؤں، جنہوں نے عبیداللہ ابن زیاد کے قصر امارہ کا گھیراؤ کیا ہے مگر افسوس کہ عبیداللہ ابن زیاد کا جاسوس وہاں کھڑا تھا میں نے جرات نہیں کی۔ جرات نہیں کی؟ یعنی کیا؟ یعنی یہی کہ ہم یہ کہتے ہیں دین پر دنیا کو ترجیح۔ اگر قاضی شریح یہی ایک کام انجام دیتا تاریخ بدل جاتی۔ اگر شریح جاتا اور لوگوں سے کہتا کہ ہانی زندہ ہے لیکن زندان میں ہے اور عبیداللہ ابن زیاد اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو چونکہ عبیداللہ نے ابھی تک اتنی قوت نہیں حاصل کی تھی وہ لوگ اس کو شکست دے کر ہانی کو رہا کروا سکتے تھے۔ ہانی کی نجات سے اپنے اندر طاقت پیدا کرتے۔

حوصلہ پیدا کرتے ہمت پکڑتے دارالامارہ کو آ گھیرتے عبیداللہ کو پکڑ لیتے یا قتل کر دیتے یا کوفہ سے واپس بھیجتے، کوفہ امام حسینؑ کی ملکیت میں ہوتا اور حقیقتاً واقعہ کربلا وقوع پذیر نہ ہوتا۔ یعنی امام حسینؑ حکومت تک پہنچتے اگر یہ حکومت چھ مہینے تک طول پکڑ لیتی تو ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ طول پکڑے اور تاریخ کے لئے زیادہ فیوض وبرکات کا حامل ہو، ایک وقت ایک برمحل تحریک تاریخ کو نجات دیتی ہے اور ایک وقت ایک بے موقع تحریک، جو کہ خوف، کمزوری، دنیا طلبی اور زندہ رہنے

جس وقت عبیداللہ ابن زیاد نے دوسرداران قبائل کوفہ کو کہا کہ جاؤ لوگوں کو مسلم کے اردگرد سے منتشر کر دو اگر تم لوگ نہیں گئے تو تمہارے والدین کو گرفتار کروں گا انہوں نے عبیداللہ ابن زیاد کو قبول کیا؟ یہ سارے تو اموی نہ تھے شام سے نہیں آئے تھے ان میں سے بعض تو امام حسینؑ کو خط لکھنے والوں میں سے تھے جیسے شیث ابن ربعی کہ جس نے امام کو خط لکھ کر دعوت دی تھی خود خواص کا حصہ ہے۔ مگر جب عبیداللہ ابن زیاد نے کہا کہ جاؤ! اور لوگوں کو اس کے مسلم کے اردگرد سے منتشر کر دو یہ بھی آیا اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کہ تحریص وتکویف کے ذریعے مسلم کے اردگرد سے منتشر کر دیئے۔ انہوں نے کیوں یہ کام کیا؟ شیث ابن ربعی جیسے اگر اس حساس لمحے میں ابن زیاد سے ڈرنے کی بجائے خدا سے ڈرتے تو تو تاریخ بدل جاتی مگر وہ لوگ آئے اور لوگ منتشر ہوگئے۔ جبکہ ان کے درمیان معقول اور منطقی لوگ بھی تھے۔ اچھے لوگ بھی تھے، بعد میں ان میں سے بعض لوگ کربلا آئے اور شہید ہو گئے لیکن یہاں غلطی کی۔ البتہ جو لوگ کربلا میں شہید ہوگئے انہوں نے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا۔ ان سے ہم کوئی بحث نہیں کرتے۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لاتے۔ لیکن ان میں سے جو کربلا بھی نہ آئے، یا نہیں آسکتے تھے۔ اپنے اندر ہمت وحوصلہ پیدا نہیں کر سکے۔ بعد میں مجبور ہوئے کہ توابین کا حصہ بنیں جب امام حسینؑ قتل ہوئے جب فرزند پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ سے نکل چکے جب سانحہ وقوع پذیر ہوا جب تاریخ کی تحریک زوال کی طرف شروع ہوئی۔ اس حرکت کا کیا فائدہ؟ اسی دلیل کی رو سے کہ توابین کی تعداد بھی تقریباً شہدائے کربلا کے برابر تھی۔ شہدائے کربلا سارے ایک ہی دن میں شہید کر دیئے گئے اور توابین بھی ایک ہی دن میں قتل کر دیئے گئے مگر آپ دیکھیں کہ توابین نے جو اثرات تاریخ پر مرتب کئے شہدائے کربلا کے اثرات کے مقابلے میں ہزارویں حصے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ یہ لوگ اپنے اصل وقت پر نہیں آئے۔ کام کو اپنے وقت پر انجام نہ دیا دیر سے ارادے باندھے

تشخص دینے میں دیر کر دی۔ مسلم ابن عقیل کو کس لئے تم نے تنہا چھوڑا؟ تم نے دیکھا کہ یہ امامؑ کا نمائندہ آیا تھا اور تم نے اس کی بیعت بھی کی ہے او راسے قبول بھی کیا ہے میں۔

عوام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا میں تو خواص سے کہتا ہوں تم نے کیوں جیسے ہی رات ہوئی مسلم ابن عقیل کو تنہا چھوڑا کہ وہ طوعہ کے گھر پناہ لے؟ اگر خواص مسلم کو تنہا نہ چھوڑتے مثلاً سو آدمی ہوئے۔ اور یہ سو آدمی مسلم ابن عقیل کا دفاع کرتے۔ (اور تاریخ نے دیکھا اور لکھا) جبکہ مسلم تنہا تھے افواج ابن زیاد نے چاہا کہ مسلم کو گرفتار کر لیں، واقعے نے کئی گھنٹے طول پکڑ لیا کئی بار حملے کئے حضرت مسلم ابن عقیل نے اکیلے میں ابن زیاد کے تمام کے تمام سپاہیوں اور ان سب کو جو (ان کی گرفتاری عمل میں لانے کے لئے) آئے تھے۔ سب قتل کر دیئے اگر ان کے ساتھ سو آدمی ہوتے کیا وہ اسے گرفتار کر سکتے تھے لوگ اس کے اردگرد جمع ہوتے۔ پس خواص نے اس جگہ غلطی کی کوتاہی کی کہ مسلم کے گرد حلقہ بندی کرنے نہ گئے۔

پس دیکھو اور ہر طرف سے حرکت کرو، خواص تک پہنچو اپنے خاص وقت میں خواص کا محکم ارادہ، خواص کا بروقت معاملے کی تشخیص، خواص کا راہ خدا میں بروقت اقدام، ان کاموں میں سے ہیں جو تاریخ کو نجات دیتی ہے۔ اصولوں کو نجات دیتی ہے۔ اصولوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ چاہئے کہ مقرر لمحے میں تشخیص شدہ حرکت انجام دیا جائے۔ اگر وقت گزر جائے گا تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ الجزائر میں! انتخابات کے بعد، جبکہ اسلامی محاذ آزادی نتائج جیت چکی ہے۔ انتخابات میں کامیاب ہوئے ہیں امریکہ اور دیگر قوتوں کے اشارے پر فوجی حکومت آئی اس دن اولیٰ یہ ہوتا حکومت اسلامی برسراقتدار آتی۔ کوئی طاقت ایسی نہیں تھی کہ میں اسے پیغام دیتا۔ اگر اس دن میں انہیں پیغام دیتا کہ اسلامی محاذ آزادی الجزائر اس وقت جب کہ ان ابتدائی گھڑیوں میں ابھی فوجی حکومت سامنے نہیں آئی ہے لوگوں کو سڑکوں پر لے

آئیں فوجی حکومت ختم ہو جاتی اور وہ لوگ حکومت تشکیل دیتے،اور آج الجزائر میں حکومت اسلامی حکومت ہوتی۔ ایسا نہیں کیا گیا اپنے وقت مقررہ پر چاہے کہ فیصلہ کریں۔ انہوں نے دل سے فیصلہ نہ کیا۔ ایک گروہ ڈرا۔ایک گروہ نے کمزوری پیدا کی۔ ایک گروہ نے اختلاف پیدا کیا۔ ایک گروہ نے کہا ہم رہبر،دوسرے نے کہا وہ رہبر تیسرے نے کچھ اور کہا ادھر ۲۱ بہمن سال ۱۳۵۷ھ ش کے زمانے کی بات ہے تہران میں فوجی حکومت کا اعلان ہوا۔ امامؒ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ سڑکوں پر نکل جائیں۔ اگر امامؒ اس وقت فیصلہ یہ نہ کرتے تو آج تک محمد رضا اس ملک میں حکومت پر حاکم رہتا۔فوجی حکومت کے ساتھ آئے۔لوگ اپنے گھروں میں پڑے ہوئے پہلے امامؒ کو بعد میں مدرسہ رفاہ، اس کے بعد دیگر جگہوں میں قتل عام کرتے۔ ہر چیز کو ختم کرتے۔ پانچ لاکھ افراد تہران میں قتل ہوتے مسئلہ ختم ہو جاتا۔ جیسے انڈونیشیا میں دس لاکھ افراد مارے گئے۔مسئلہ وہیں ختم ہوا، آج بھی وہی آقا حاکم ہے اور ایک آبرومند اور محترم شخصیت بھی ہے۔ پانی بھی عام پانی نہیں پیتا۔ پس امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم موقع پر اہم فیصلہ کیا۔ اگر خواص اپنے وقت پر جو کام ضروری ہے تشخیص دیں اور عمل کریں تو تاریخ آزادی پیدا کرے گا اور بہت سے حسینؑ ابن علیؑ کربلاؤں کی طرف نہیں کھینچے جائیں گے۔ اگر خواص برا سمجھتے ہوں۔دیر سے سمجھتے ہوں یا سمجھتے تو ہیں لیکن باہم اختلاف کرتے ہوں، جیسے افغانی حضرات! اگر سرگرم افراد میں منطقی اور معقول لوگ ہوں لیکن معاشرے میں منتشر خواص جواب نہ دیتے ہوں ان میں سے ایک کہے آج ہمارا ایک ضروری کام ہے ایک کہے جنگ ختم ہوئی ہے۔ہمیں اجازت دو کہ اپنے کاموں کے پیچھے جائیں کچھ اپنے لئے کمائیں چند سال میں کچھ جمع کرتے ہیں ہم سرحدوں میں پھرتے ہیں۔ اس سرحد سے اس سرحد، کبھی مغرب کبھی جنوب بہت ہو گیا کافی ہے اگر اسی طریقے پر عمل کیا گیا تو پتہ ہے کیا ہوگا؟ کربلاؤں کی تکرار ہوگی۔

خدائے متعال نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی خدا کی نصرت کرے خدا اس کی نصرت کرے گا اگر کوئی خدا کے لئے کوشش اور حرکت کرے خدا اس کے لئے کامیابی نصیب کرے گا نہ اس طرح کی ہر ایک شخص کو کامیابی ملے گی بلکہ جب ایک گروہ حرکت کرے، البتہ اس میں شہادتیں ہیں بلائیں ہیں لیکن کامیابی بھی ہے۔ **والنصر من اللہ من ینصرہ**۔نہیں فرمایا کہ مدد کریں گے کسی کے سر سے خون بھی نہیں بہے گا نہیں **فیقتلون ویقتلون** یعنی قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں لیکن کامیابی ان کے ہاتھ آجاتی ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے۔ جب ہم خون سے ڈریں گے، عزت وآبرو سے ڈریں، پیسے کے نقصان سے ڈریں،خاندان کی خاطر ڈریں،نوکری کی خاطر ڈریں، ایک گھر کے مالی اخراجات کی خاطر ڈریں، دوستوں کی خاطر ڈریں، سابقہ گھر میں ایک کمرے کی اضافے کی خاطر ڈریں، جب ان چیزوں کی وجہ سے قیام نہ کریں تو دس آدمی امام حسینؑ جیسے آئیں، سرراہ آئیں، سب کے سب شہید ہونگے سب کے سب ختم ہو جائیں گے جیسے کہ امیر المومنینؑ شہید ہوئے۔ جیسے کہ امام حسینؑ شہید ہوئے خواص! خواص کا گروہ میرے عزیزو! دیکھو کہ تم کہاں ہو اگر خواص کا حصہ ہوتو ہو۔(پس) آپ کے ذہن واحساس میں ہونا چاہئے ہماری گزارش صرف اتنی ہے۔

البتہ ہم یہ جو گفتگو کر رہے ہیں جو مطالب یہاں پر بیان کر رہے ہیں وہ اصل مطلب کا خلاصہ ہیں چاہئے کہ دوحصوں میں اس مطلب سے سروکار رکھیں اس میں سے ایک مسئلہ تاریخی ہے کہ اگر مجھے فرصت ملی تو خود کام کروں گا۔ افسوس کروں گا، افسوس کے ساتھ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے چاہئے کہ یہ کام لوگ کریں جو نمونے مثالیں تاریخ میں ارزاں ہیں پیدا کریں اور ذکر کریں، کہاں خواص کو عمل کرنا چاہئے ہوگا اور کہاں نہیں کرنا ہوگا۔ آخر یہ خواص کس کا نام ہے؟ یہ کون لوگ ہیں؟ اگر ابھی فرصت ہو۔ آپ بھی نہ تھکیں تو یہ بات ممکن ہے کہ اس میدان میں انہی

موضوعات پر اور اس کے اشخاص کے بارے میں تمہارے لئے گفتگو کروں کہ میرے ذہن میں یہ بات ہے اور دوسرے حصے پر کہ کام ہونا چاہئے وہ ہر زمانے کے حالات سے مطابق ہے نہ صرف ہمارے زمانے سے بلکہ ہر زمانے سے کہ خواص کے طبقے کو کس طرح کام کرنا چاہئے کیا انہوں نے اپنی مسئولیت کے مطابق کام کیا ہے؟ یہ جو ہم کہتے ہیں دنیا کے جال میں نہ پھنسیں کس طرح دنیا کے جال میں نہ پھنسیں؟ اس کی مثالیں اور مصادیق کیا ہیں؟

میرے عزیزو!

راہ خدا میں حرکت کرنا ہمیشہ اپنے مخالف رکھتا ہے اگر ان افراد میں سے ایک فرد کہ جن کے بارے میں ہم نے کہا چاہئے کہ اچھا کام انجام دے ممکن ہے کہ ان خواص میں سے چار آدمی اور پیدا ہوں کہ کہیں جناب کیا آپ بے کار ہیں؟ کیا آپ دیوانے ہیں؟ کیا آپ کے بیوی بچے نہیں؟ کس لئے اس طرح کے کاموں کا پیچھا کرتے ہو؟ جیسا کہ مبارزہ وجہاد (حکومت شاہ کے خلاف) کے زمانے میں کہتے تھے خواص کو چاہئے کہ استقامت دکھائیں خواص کی مجاہدت کے لوازمات میں سے ایک یہ ہے کہ ملامتوں اور آوازوں کے مقابلے میں مستقل ہوں بدیہی ہے کہ مخالفین تجاوز کرتے ہیں۔ برا کہتے ہیں تہمت لگاتے ہیں۔ وہ بزرگ و عظیم کام ممکن ہے آئندہ پیش آئے ایک چھوٹا سا نمونہ ہے کون ہیں جو کہیں کس لئے؟

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج ہمارا ملک مجاہدات فی سبیل اللہ کا ملک ہے۔مملکت جہاد وایثار ہے اصولوں اور اقدار کا ملک ہے اس ملک کے عہدے دار، اس ملک کے بزرگ، علمائے اعلام،خطیب،مبلغین یہاں تک کہ بہت سے شعبوں میں جیسے یونیورسٹیاں اور دوسرے مراکز، انقلاب،اسلام اور اصولوں کے لئے حرکت کرتے ہیں۔ہمیں پتہ ہے مسلح افواج بھی اصولوں کے مظہر ہیں۔

سپاہ کے جو اپنے روشن ماضی کے ساتھ ایسے لشکروں میں سے ایک ہے جن

کی صورت حال معلوم ہے۔ انہوں نے کس قدر زحمت گوارا کی ہے۔ کس قدر اہمیت اور اصول پیدا کئے ہیں آج بھی ان کو چاہئے کہ اصولوں کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔

یہ اس بات کا ایک اجمال ہے جو باتیں بنیاد قرار پائیں کہ ایام محرم الحرام کی مناسبت سے عرض کریں البتہ وہ مقدار کہ جو ہم نے عرض کی بہت مختصر تھی۔ اگرچہ وقت کسی قدر زیادہ ہو چکا ہے ہم سے بار بار مسلسل یہ کہا بھی جا رہا ہے کہ ہم اپنی تقریر مختصر کریں۔ اس لئے کہ تھکیں نہیں اس چیز کی حقیقت بھی یہی ہے کہ میں مصلحت نہیں سمجھتا کہ خود کو تھکا دوں۔ تا کہ دوسرے کاموں کو انجام دے سکوں لیکن انسان کو جبکہ وہ کسی ایسے مجمع میں بیٹھا ہو۔ جہاں آپ جیسے جمع ہوں تو وجد طاری ہوتا ہے اور تھکن کا احساس نہیں کرتا۔

ذات خداوند تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ آپ سب کو کامیاب قرار دے گا خداوند متعال انشاء اللہ روح حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کو انبیاء کے ساتھ محشور فرمائے۔

والسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''حضرت امام حسینؑ کی بلند پایہ اور منور شخصیت کے دو رخ ہیں۔ ایک چہرہ وہی جہاد، شہادت اور طوفان کا ہے جو تاریخ میں اٹھا اور اسی طرح یہ طوفان اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ دوبارہ برپا ہوگا جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ آپؑ کی شخصیت کا دوسرا رخ معنوی اور عرفانی ہے جو خاص طور پر دعائے عرفہ میں ایک عجیب شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں ایسی دعائیں کم ہیں جن میں درد، نظم خداوند سے توسل اس طرح کہ خدا کی مقدس ذات کے سامنے خود کو فانی محسوس کرنا سب شامل ہوں۔ یہ دعا نہایت عجیب دعا ہے۔ ایک اور دعا عرفات کے دن سے متعلق صحیفہ سجادیہ میں موجود ہے جو آپؑ کے صاحبزادہ سے منسوب ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ان دونوں دعاؤں کا موازنہ کیا، پہلے حضرت امام حسینؑ کی دعا کو پڑھا پھر حضرت امام زین العابدینؑ کی دعا کا مطالعہ کیا۔ بارہا میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت امام سجادؑ کی دعا حضرت امام حسینؑ کی دعا کی شرح ہے، گویا وہ متن ہے اور یہ اس کی تشریح، وہ اصل ہے یہ فرع۔ آپ دیکھیں گے کہ بالکل یہی کیفیت حضرت امام حسینؑ کے اس خطبہ میں ملے گی جو آپؑ نے اپنے زمانے کی عظیم شخصیتوں، تابعین اور بزرگان دین کے سامنے منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ کربلا اور عاشورا کے واقعے کی طرف آئیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود میدان جنگ ہونے کے آپؑ اپنے چہرہ مبارک کو کربلا کی تپتی ریت پر رکھ کر فرماتے ہیں۔

الٰی رضا بقضائك وتسلیما لامرك

ذکر التجا یاد اور توسل پہلے لمحے سے آخری لمحے تک آپؑ کے ساتھ ہے مکے سے نکلتے وقت جب فرمایا۔

من كان فينا باذلا مهجته موطنا على لقاء الله نفسه فليرحل معنا

دعا توسل، وعدہ لقائے الٰہی اور وہی دعائے عرفہ کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آخری لمحے قتل گاہ میں

''رضا بقضائك''

پر ختم ہوتی ہے۔

عاشوا کا واقعہ خود ایک عرفانی ماجرا ہے جس میں جنگ ہے، قتل کرنا ہے، قتل ہو جانا ہے یہ ایک رزم نامہ ہے اور عاشورا کے رزم نامے چمکدار اور روشن باب کی طرح ہیں۔ جب آپ اس رزمی واقعے کے تانے بانے کو غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ اس میں عرفان ہے، معنویت ہے، التجا ہے اور دعائے عرفہ کی روح موجود ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی شخصیت کا یہ دوسرا رخ بھی ان کی شخصیت کے پہلے رخ یعنی جہاد اور شہادت کی طرح اسی گہرائیوں سے یاد کیا جانا چاہئے۔ وہ نکتہ جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ شاید یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ معنویت، عرفان، توسل، فناء فی اللہ معشوق میں محو ہو جانا اور خدا کے ارادے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے عاشورا کا واقعہ اس قدر عظمت والا اور جاویدانی ہو گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جہاد اور شہادت کے ایک سرے پر پروردگار اور دوسرے سرے پر مخلوق یعنی وہی عرفانی اور معنوی روح۔ بہت لوگ ہیں جو مومن ہیں جہاد کے لئے جاتے ہیں۔ شہید بھی ہو جاتے ہیں یہ شہادت ہے۔ شہادت سے ذرہ برابر بھی کم نہیں لیکن ایک شہادت ایسی بھی ہے جو روح کا ایمان سے بالاتر ہے، جو ایک تڑپتے دل، مشتعل روح، راہ خدا اور اس کی محبت میں بے تابی اور ذات صفات الٰہی میں غرق ہو

جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے جہاد کا کچھ اور ہی مزہ ہے جو ایک ''حال'' پیدا کر دیتا ہے۔ یہ عالم پر ایک عجیب اثر ڈالتا ہے۔

جنگ کے دوران ہم نے ایسے حال کے چند قطروں کا مشاہدہ کیا۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ ان شہادت پانے والے نوجوانوں کے وصیت ناموں کو پڑھو۔ اگرچہ اس سلسلے میں میں نے ان سے کچھ سنا نہیں ہے لیکن میرے خیال میں یہ خشک و خالی نصیحت نہ تھی۔ خود امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان وصیتوں کو پڑھا تھا۔ جن کا ان کے قلم پر اثر تھا۔ اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی اس سے بہرہ مند ہوں۔ میں خود جنگ کے زمانے میں اور اس کے بعد سے لے کر آج تک الحمد اللہ ان وصیتوں سے مانوس رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح یہ وصیتیں عرفانی روح کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہیں وہ راہ جو ایک عارف اور سالک تیس چالیس سالوں میں طے کرتا ہے، ریاضتوں کو جھیلتا ہے، عبادتیں کرتا ہے، اپنے بزرگ استادوں سے فیض حاصل کرتا ہے، کتنا گریہ وزاری، التجا وفریاد کے بعد اس راہ کو پاتا ہے۔ وہی ایک نوجوان کس طرح دس، پندرہ یا بیس دنوں کے مختصر عرصے میں میدان جنگ میں گزار کر حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی اس لمحے سے جب وہ محاذ جنگ پر گیا جو بھی مقصد لئے (ظاہر ہے کہ اس جوش اور ولولے کے ساتھ مقصد دین ہی ہوگا) ایک ایسی حالت پیدا ہوئی جو آہستہ آہستہ ایک جان نچھاور کر دینے کے عزم اور اپنی ہستی کو مٹا دینے کے ارادے میں تبدیل ہوگئی۔ اس نے اپنے احساسات وصیتوں کی شکل میں لکھے۔ یہاں تک کہ عین شہادت کے موقع پر یہ اس کی حالت اسی طرح سے لحظہ بہ لحظہ پرجوش، بہ قرب نزدیک اور یہ سفر تیز ہوتا چلا گیا۔ ان آخری ایام میں، ان آخری لحات میں اور ان آخری گھنٹوں میں اگر اس نے کوئی وصیت چھوڑی ہوتو وہ انسان کے دل پر تیر کی طرح اثر کرتی ہے۔

یہ نوجوان جنہوں نے اپنی یادیں قلم بند کیں اور شہید ہو گئے، ہمیں ان کی

تحریروں میں جوخصوصیت بہت واضح نظر آتی ہے وہ ہے حسینیت کا جوہر، جس کے یہ قطرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل میں معنویت ہے جو عاشورا کے واقعے کا محفوظ سرمایہ ہے۔ تاریخ میں باقی رہنے والا یہ طوفان ہے کہ جس سے ہمیشہ ظلم وستم کے محل لرزتے اور مغلوب رہے ہیں۔

تاریخ کے ہر موڑ پر جہاں کہیں اس طوفان نے سر اٹھایا ایسا کام کر دکھایا جیسا کہ اس دن انجام پایا تھا۔ مثلاً ہمارا انقلاب یہ عظیم واقعہ ہے جس کا اثر ہر لمحے زمانے کے ہر چوراہے پر دیکھا گیا ہے۔ کتنے ہی ظالموں کے سلسلوں کو مٹایا ہے کتنے ہی کمزور اور ناتواں انسانوں کو قوت بخشی ہے، کتنے ہی مستضعف ملتوں کو حوصلہ دیا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو خدا کی راہ میں قیام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارے زمانے میں بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی فہم و فراست کی بدولت اس واقعے نے انقلاب کی کامیابی سے قبل، اسی پہلے طوفان کی مانند معاشرے میں ظہور کیا۔ یہ پروردگار سے اتصال، رابطے، حضور، ذکر، توسل اور توجہ کا نتیجہ ہے۔ ہمارے عزیز امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اسی طرح کے انسان تھے۔ حضور اور ذکر والے۔ آپ کے کام کی چمک بھی اسی سے تھی۔ قاعدے کی رو سے، جہاں تک ممکن ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نفس کی تاثیر اسی واقعے سے رابطہ رکھتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ محترم عزیزوں سے عرض کروں کہ سپاہ پاسداران ہر محافظ اور ہر وہ شخص جس نے فوجی وردی نہیں پہنی اس بات کے قابل ہیں کہ وہ اسلام اور انقلاب کی امانت کے ذمہ دار ہیں۔ اپنی آج کی زندگی اور اپنی کل آنے والی زندگی میں اسلامی قدروں کے کردار کو مانتے ہیں۔ انہیں اس بات پر توجہ کرنا چاہئے کہ جنگ کے اختتام سے کام ختم نہیں ہو گیا ہے۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کو دس سال یا بیس سال گزر جانے سے کوششیں پوری نہیں ہوں گی کیونکہ اس بات کی واضح دلیل یہی ہے کہ دشمنوں، مداخلت کرنے والے عوامل اور معارض نے اصلاح اور فلاح کے نام پر تحریکیں چلانا بند نہیں کی ہیں۔ یہ

صاحب تدبیر دشمن نے، ایسے دشمنوں نے جن کی دشمنی کسی ایک شخص سے نہیں یعنی دشمنوں کے محاذ نے یہ سیکھا ہے کہ اسلامی انقلاب کے جیسی عظیم تحریک کا مقابلہ اگر سینہ بہ سینہ ممکن نہ ہو اور روک ٹوک کرنے والے زیادہ ہیں جیسا کہ اس انقلاب کے سلسلے میں انہوں نے محسوس کیا تھا تو راستہ یہ ہے کہ خود کو فی الحال دور کر لیں ایک پوشیدہ مورچے میں جا بیٹھیں اور موقع ہاتھ آنے کا انتظار کریں۔ یہ طریقہ بیسویں صدی کے تقریباً ہر انقلاب کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی عوامی تحریکوں اور انقلابوں کی صدی ہے جو ایک نصب العین، تفکرات اور نئی امنگوں پر مبنی ہے۔ انقلاب اس صدی کے اوائل میں روس کے سوشلسٹ انقلاب سے شروع ہوئے۔ اسی طرح جاری رہے جن میں بعض بائیں جانب کے اور بعض وہ جو مارکیٹ تفکرات سے زیادہ متاثر نہیں تھے، بہرحال انقلاب ہوتے رہے، ہمارے انقلاب سے پہلے بھی اور بعد بھی۔

دنیا میں چاروں طرف دسیوں انقلابات وجود میں آئے۔ جنہوں نے فوجی نظام برطرف کر کے عوامی حکومتیں قائم کیں۔ کام کے شروع میں ہی اپنے میدان میں جا کر کوشش کی اور کامیاب ہو گئے۔ بعض دوسرے تھے جنہوں نے شروع ہی میں ہمت ہار دی اور مغلوب ہو گئے۔ وہ جو کسی مشکل میں گھرے ہوئے تھے، مخل ہونے والوں کو نہ ہٹا سکے۔اس لئے ان مداخلت کرنے والوں نے دخل اندازی کی، پروپیگنڈا کیا انہیں گھیر لیا اور تھکا دیا، خود کو مورچے میں چھپا کر ان کے تھکنے کا انتظار کیا تاکہ ان پر کاری ضرب لگا سکیں۔ تقریباً ایسا ہی کر چکے ہیں اور عام طور پر اس سلسلے میں کامیاب رہے ہیں۔ انقلاب کے خالفین جو گوشہ نشین اور مغلوب ہوئے بیٹھے تھے۔ بعد میں سامنے آ کر انہوں نے لگام سنبھالی، مسلط ہو گئے اور اپنے مقاصد کو انجام دینے لگے۔ اسلامی انقلاب کے سلسلے میں دشمن کا نقشہ نہ کہ افراد یا اشخاص کا اسی پر مبنی تھا اور اسی کو نظر میں رکھا گیا تھا۔ ہمارے انقلاب کا کیا کہنا کہ ان اٹھارہ سالوں

کی مدت میں حتیٰ ایک واقعہ بھی ایسا رونما نہ ہوا جو دشمن کے محاذ کو امید دلا سکے یا خوشحال کر سکے۔

ایک دن کی بات ہے کہ جب میں صدر مملکت کے عہدہ پر فائز تھا ایک شخص جو کہ انقلابی سلسلوں کے ممتاز مقام پر تھی اور جو دنیا کے مشہور سیاست دانوں میں شامل ہے میں ان کا نام لینا نہیں چاہتا ان سے ان کے ملک میں ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے انقلابی دعوؤں اپنے بیانوں اور اپنے نصب العین کے برخلاف ایک کام انجام دیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح اور کس منطق کے تحت ایسا کیا؟ وہ ہنسے اور کہا کہ یہ ایک چال ہے! میں نے کہا کہ انسان اس وقت ایسا کرے کہ جب یہ عمل اس کی پالیسی کو بالکل بدل کر نہ رکھ دے جبکہ ایسا ہی ہوا تھا۔ ان کی پالیسی اور ان کا رخ بالکل بدل گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی ذمہ داری ٹیک ٹک پر رکھ دی اور کہا میں ''فوجی مشق'' کر رہا ہوں، ایک چال پر عمل کر رہا ہوں یہ کونسی ٹیک ٹک ہے کہ انسان اپنے ہی دشمن کو اپنے اوپر مسلط کر لے۔ کیا اپنی کہی ہوئی بات سے پھرنا چال ہے؟ اپنی جہت کو پلٹ دینا صحیح ہے؟ اسی طرح کے واقعات اس انقلاب کے کارناموں میں دیکھے گئے ہیں دشمن کو لالچ دیتے ہیں، دشمن امیدوار ہو جاتا ہے مورچہ کھولتا ہے، کامیاب بھی ہو جاتا ہے جبکہ تقریباً ہر جگہ کامیاب رہا ہے۔ ہمارے انقلاب کے سلسلے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بصیر اور دوراندیش، احکام الٰہی میں رعایت نہ برتنے والے حکم خدا اور شرعی حلال وحرام کو معیار قرار دینے والے ہی تھے جو ان دس سالوں میں رکاوٹ بنے رہے۔ اس طرح کہ دشمن کو ذرا بھی رجحان یا میلان نظر نہ آیا۔ امامؒ کی رحلت کے بعد بھی خدا کے فضل وکرم سے یہی کوشش رہی ہے کہ ایسا ہی رہے ایک وقت تھا کہ جب دشمن بعض افراد کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار تھا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ خدا کے فضل سے آج تک اس انقلاب نے اپنا ایسا رخ دکھایا ہے کہ دشمن امید نہیں لگا سکتا لیکن یہ

بات سب جان رہیں کہ اب بھی دشمن گھات لگائے ہوئے ہے وہ چیز جو انقلاب کو محکم بنائے اس ملت کی عظیم جہت گیری کو مضبوط کرے، فلاح و بہبود، عزت رضائے الٰہی دنیا کی سعات اور اپنی آخرت کی طرف قدم بڑھانے میں مدد گار ثابت ہو وہ حفاظت اور پاسبانی کا جذبہ ہے۔ اس کی ذہنیت، تیاری اور ہوشیاری ہے۔ یہ ذہنیت معنوی اور روحانی پہلوؤں پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے پاسدار بھائیوں، تمام انقلابی گروہوں، مختلف شعبوں میں حساس ذمہ داریوں پر فائز بھائی بہنوں کے معنوی اور روحانی پہلو کو مدنظر رکھنے اور لحاظ کرنے پر بھروسہ کیا ہے۔ یہی توجہ توسل اور پروردگار سے ارتباط ہے جو فوجی طاقتوں کے استحکام اور اقتدار کی ضمانت ہے تاکہ وہ ہمیشہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا رہیں اور دفاع کر سکیں۔ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر خدا سے یہ رابطہ کمزور پڑ جائے انسان کی ہوس اس پر غالب آ جائے یہ ہوس انسان کی زندگی کے رخ کو موڑنے پر قادر ہو جائے تو اس وقت دشمن سے مقابلہ کرنے کی قوت بھی کمزور پڑ جائے گی۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ انسان کبھی نہ کبھی اپنی نفسانی خواہش کے زیر اثر آ جاتا ہے۔ یہ وہ چیز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ انسان کو پوری طرح اس راہ سے ہٹا دیا ہے بلکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہوائے نفسانی، مادی مفاد، معمولی خواہش انسان کی زندگی کے رخ کو معین نہ کریں، انسان کو زندگی کے راستے کو اس کے پاؤں کے نیچے نہ کچل دیں، یقین کرنے والا نہ بن جائیں اور راہ کو تبدیل نہ کر دیں۔ یہ اہم ہے۔ جو چیز اس میدان میں نقصان کو گھٹاتی ہیں وہ معنوی اور اخلاقی مسائل، دعا، ذکر توجہ، تہذیب نفس، خودسازی، اپنے اندر برے اخلاق کا مقابلہ کرنا ہیں۔ یہ بات اہم ہے۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو توجہ، دعا، ذکر کے لحاظ سے ان چیزوں کے حامل ہیں لیکن فاسد اخلاق جیسے خودغرضی، خودپسندی، کنجوسی، حرص، حسدوکینہ، ہر ایک کا برا چاہنا اور بدنیتی کو اپنے اندر سے اکھاڑ کر نہ پھینک سکے ہیں اور اپنے کردار کو ان

برائیوں کے اثر سے محفوظ نہ رکھ سکے ہیں۔ اس کے مد مقابل نقطہ وہ اخلاقی جنت ہے جو اسلام نے انسانوں کے لئے پیش کی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان ایک دوسرے سے مہربان ہوں۔ ایک دوسرے کی مصلحتوں کو سمجھنے والے ایک دوسرے کی تکلیفوں اور غلطیوں سے اثر انداز اور افسردہ ہونے والے ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے والے اور ایک دوسرے سے رحمدلی سے پیش آنے والے **واتواصوابالمرحمة** یہ دوستی ومحبت، خیر خواہی اور عطونت کا رشتہ بھائیوں، دوستوں، بہنوں، اسلامی امتوں کے درمیان ہونا چاہئے۔ یہ نہایت عالی اور ممتاز صفات ہیں۔ انہیں اپنے اندر مزید قوت بخشنی چاہئے۔ سب سے بری صفت انسان کے اندر یہ ہے کہ وہ خود کو اپنے مادی فوائد اور مصلحتوں کو محور قرار دے اور اس بات کے لئے تیار ہو کہ ایک انسان کو ذاتی خواہش اور ایک ذاتی حس کی تسکین کے لئے بے شمار انسانوں کو بدقسمتی اور نقصان کے دوراہے پر لاکھڑا کرے۔ اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔ اسے اپنے دل سے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے۔ یہ معافی خود دعاؤں میں موجود ہیں۔ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اگرچہ تقریباً تمام آئمہ علیہم السلام سے ماخوذ دعائیں اور ادعیہ ہم تک پہنچے ہیں لیکن سب سے زیادہ اور معروف دعائیں ان تین اماموں کی ہیں جو خود اپنی زندگی میں درازموت جنگوں میں درگیر رہے ہیں۔ ایک امیرالمومنین حضرت علیؑ ہیں کہ جن سے دعائے کمیل جیسی اور دعائیں نقل کی گئی ہیں جو ایک دنیا ہیں۔